اہل حدیث کے
امتیازی مسائل
آمین بالجہر
وضع الیدین علی الصدر
رفع الیدین
تورک
جلسہ استراحت
وتر
تعداد رکعات تراویح
تحریر
سید بدیع الدین
عبدالرحمن میمن

سلسلہ مطبوعات دعوۃ السلفیہ : 36

نام کتاب	اہل حدیث کے امتیازی مسائل
از خطاب	شیخ العرب والعجم علامہ سید بدیع الدین شاہ راشدی رحمہ اللہ
بمقام:	اہل حدیث سیرت کانفرنس بٹالہ 1945ء
مقدمہ	فضیلۃ الشیخ علامہ عبداللہ ناصر رحمانی حفظہ اللہ
اشاعت اول	مارچ ۲۰۰۳ء بمطابق محرم الحرام ۱۴۲۴ھ
قیمت	
کمپوزنگ	السند کمپوزرس۔ مکان نمبر 1102/B ہاشمی کالونی لطیف آباد نمبر 4 حیدرآباد (فون:812993)
مطبع	البحت پرنٹنگ پریس کراچی (فون: 021-7729521)
ناشر	مکتبۃ الدعوۃ السلفیۃ میمن کالونی ٹمیاری۔ ضلع حیدرآباد فون: 0221-760531

حیدرآباد آفس

متصل مرکزی جامع محمدی مسجد اہل حدیث پکا قلعہ چوک حیدرآباد

فون: 617608-621378-616105(0221) فیکس: 621612(0221)

E-mail: arashidi@hyd.paknet.com.pk

فہرس

کلمۃ الناشر

الحمدللہ وحدہٗ ولا ندلہ ولا ضد لہ ولا مثال لہ ولا مثیل لہ والصلوٰۃ والسلام علی من لا نبی بعدہٗ وعلیٰ آلہ وصحبہٖ واھل طاعتہ اجمعین.

اما بعد!

قارئین کرام! شیخ العربِ والعجم علامہ سیّد بدیع الدین شاہ راشدی رحمہ اللہ کی شخصیت علمی حلقوں میں کسی تعارف کی محتاج نہیں۔ اپنے اور بیگانے سب ہی آپ کی علمیت کے معترف ہیں۔ آپ کی شخصیت تدریس وتحریر، تقریر و مناظرہ غرض ہر میدان میں ممتاز حیثیت کی حامل تھی۔

آپ کی تصانیف کی تعداد ۱۶۰ سے متجاوز ہے۔ زیرِ نظر رسالہ بھی آپ کے ان علمی شہ پاروں میں سے ایک ہے۔ یہ رسالہ اگرچہ آپ کی کوئی باقاعدہ تصنیف نہیں۔ بلکہ یہ آپ کے شباب عفونت کے ان خطبات میں سے ایک ہے جو ۱۹۴۵ء میں بٹالہ میں منعقدہ اہل حدیث کانفرنس میں بطور صدارتی خطبہ پڑھنے کے لئے آپ نے تحریر فرمایا تھا۔ یہ اس وقت کی بات ہے جب آپ کی عمر صرف ۲۰ سال تھی۔ آپ شاہ صاحب کی علمیت کی شہرت کا اندازہ اس بات سے بھی لگا سکتے ہیں کہ مولانا ثناء اللہ امرتسری اور برصغیر کے عظیم علماء کی موجودگی میں کانفرنس کی صدارت کا سہرا آپ کے سر پر رکھا گیا، بلکہ مولانا ثناء اللہ امرتسری نے آپ کا تعارف ان الفاظ میں کرایا کہ:

”آج کی اس کانفرنس کی صدارت سندھ کے ایک ایسے نوجوان عالم کررہے ہیں جو اسماء الرجال میں مہارت رکھتے ہیں۔“

اس خطبہٴ صدارت میں شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے نماز سے متعلق مسلک اہل حدیث کے چند امتیازی مسائل کا انتہائی اختصار اور جامعیت کے ساتھ ذکر کیا، جن کی علمی افادیت کے پیشِ نظر اس کو الگ کتابی شکل میں شایع کیا جارہا ہے تاکہ ہر عام و خاص اس بحرِ ذخار سے مستفید ہوسکے۔

راقم الحروف نے اصل کتب کی طرف مراجعت کر کے نصوص کی تخریج کی ہے، لیکن پھر بھی کئی حوالہ جات تک رسائی ممکن نہ ہوسکی، اس لیے اہل علم سے استدعا ہے کہ اگر کہیں خامی نظر آئے تو مطلع فرمائیں، تاکہ آئندہ اشاعت میں درستگی ہوسکے۔

محترم ڈاکٹر عبدالحفیظ سموں حفظہ اللہ اور برادرم فہیم احمد صاحبان کا شکریہ ادا نہ کرنا بھی ناسپاسی ہوگی کہ جن کی معاونت کے بغیر حوالہ جات کی تخریج کے کٹھن مراحل شاید مجھ جیسا کمزور انسان طے نہ کرپاتا۔

میں فضیلۃ الشیخ علامہ عبداللہ ناصر رحمانی حفظہ اللہ امیر جمعیت اہل حدیث سندھ کا تہہ دل سے مشکور ہوں، جنہوں نے اپنے کثیر مشاغل کے باوجود بندۂ ناچیز کی درخواست پر ایک مختصر مگر جامع علمی مقدمہ تحریر فرمایا (جزاہ اللہ خیرا)

اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ اس رسالہ کو مصنف اور معاونین کی نجات کا ذریعہ اور گمراہی اور تقلیدی جمود میں پھنسی ہوئی انسانیت کے لیے مشعل راہ بنائے اور تمام مسلمانوں کو صرف قرآن وسنت پر عمل پیرا ہونے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین

آخر میں دین کا درد رکھنے والے اہل ثروت حضرات سے درخواست ہے کہ محض اللہ تعالیٰ کی رضا اور اس کے دین کی سربلندی، شرک وکفر اور باطل نظریات وعقائد کی بیخ کنی کیلئے اس قلمی جہاد میں ہمارا ساتھ دیں کیونکہ یہ کام فرد واحد کے بس کی بات نہیں ہے۔

اللہ تعالیٰ ہمیں حق و باطل میں فرق کرنے اور حق کا ساتھ دینے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین

والسلام

خادم العلم والعلماء

عبدالرحمٰن میمن

مدیر

مکتبہ الدعوۃ السلفیہ

میمن کالونی ٹنڈو میاری، ضلع حیدرآباد

ٹنڈو میاری

١٣ مارچ سن ٢٠٠٢ء

مُقدّمہ

فضیلۃ الشیخ عبداللہ ناصر رحمانی حفظہ اللہ

الحمدللہ رب العالمین والصلاۃ والسلام علیٰ اشرف الانبیاء والمرسلین وعلی آلہ وصحبہ ومن تبعھم باحسان إلی یوم الدین.

اما بعد!

رسالہ ہٰذا درحقیقت ایک صدارتی خطبہ ہے، جو شیخ العرب والعجم علامہ سید بدیع الدین شاہ الراشدی رحمہ اللہ نے اہلحدیث کانفرنس بٹالہ کے موقعہ پر ۱۹۴۵ء میں ارشاد فرمایا تھا۔ اس صدارتی خطبہ میں جماعتِ حقہ اہل الحدیث کے امتیازی مسائل کو نہایت قوی دلائل کے ساتھ پیش کیا گیا ہے۔

ہمارے شیخ محترم کی علمی ثقاہت و جلالت کسی اہل علم سے مخفی نہیں ہے۔ دلائل سے طریقِ استدلال اور پھر مسائل پر مضبوط گرفت بھی ایک امرِ مسلم ہے۔ اور زیر نظر تحریر اس کا ایک نمونہ ہے۔

اس رسالہ میں پیش کردہ بیشتر مسائل اسلام کے بنیادی رکن نماز اور نماز کی مفتاح وضو اور طہارت سے متعلق ہیں۔ نماز دینِ اسلام کا بنیادی رکن اور مرکزی عمود ہے۔ اس کی صحیح ادائیگی کا مکمل اہتمام ضروری ہے۔ یہی رسول اللہ ﷺ کی تعلیم ہے۔ (صلوا کما رأیتمونی أصلی) مسیئ الصلاۃ کو نماز لوٹانے کا حکم دینے میں بھی یہی اہم ترین نکتہ پنہاں ہے۔

لہٰذا ہم تمام قارئین کو دعوت دیں گے کہ اس رسالہ کا بنظر انصاف مطالعہ فرمائیں، کیونکہ یہ نماز اور دین کا معاملہ ہے۔ اسے محض چند فروعی مسائل کے حیلۂ مخترعہ و مروجہ کے بھینٹ چڑھا کر مسترد کرنے کی بجائے ایک مخلصانہ دعوت تصور

کریں۔

اس رسالہ کو زیور طباعت سے آراستہ کرنے کا یہی مقصد ہے۔ ان شاء اللہ یہ مختصر رسالہ جسے ایک ہی نشست میں پڑھا جاسکتا ہے، بہت سے بنیادی مسائل کی معرفت کا سبب ہوگا۔

محترم بھائی عبدالرحمٰن میمن صاحب جنہیں اللہ تعالیٰ نے اس قسم کی بہت سے علمی شاہکار منصۂ شہود پر لانے کی توفیق عنایت فرمائی ہے، اس رسالہ کی اشاعت پر ہماری طرف سے مبارکباد کے مستحق ہیں۔ ہم ان کے تہہ دل سے شکرگذار ہیں (فمن لم یشکر الناس لم یشکر اللہ) اور دعاگو ہیں کہ اس رسالہ نافعہ کے نفع کو کام کردے۔ نیتوں میں اخلاص پیدا فرمادے۔

نیز دین کی نشر و اشاعت کے حوالہ سے مزید کام کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ یہی اصل ذمہ داری ہے جو ہمارے کاندھوں پر عائد ہوتی ہے۔ (بلغوا عنی ولو آیة) (الا فلیبلغ الشاھد الغائب) (نضراللہ امرأ سمع مقالتی فحفظھا ثم اداھا کما سمع)

اللہ تبارک زیادہ سے زیادہ توفیق عطا فرمائے۔ فھو سبحانہ وتعالیٰ ولی التوفیق. وأصلی واسلمْ علی نبیہ محمد وعلی آلہٖ وصحبہ واھل طاعتہ اجمعین.

کتبہٗ / عبداللہ ناصر الرحمانی
(امیر جمعیت اہل حدیث سندھ)

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ نَحْمَدُہٗ وَنَسْتَعِیْنُہٗ وَنَسْتَغْفِرُہٗ وَنُؤْمِنُ بِہٖ وَنَتَوَکَّلُ عَلَیْہِ وَنَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنْ شُرُوْرِ اَنْفُسِنَا وَمِنْ سَیِّئَاتِ اَعْمَالِنَا مَنْ یَّھْدِہِ اللّٰہُ فَلَا مُضِلَّ لَہٗ وَمَنْ یُّضْلِلْ فَلَا ھَادِیَ لَہٗ وَنَشْھَدُ اَنْ لَّا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ وَحْدَہٗ لَا شَرِیْکَ لَہٗ وَلَا نَظِیْرَ لَہٗ وَلَا ضِدَّ لَہٗ وَلَا نِدَّ لَہٗ وَلَا مُعَارِضَ لَہٗ وَلَا مُنَاقِضَ لَہٗ وَلَا مِثَالَ لَہٗ وَنَشْھَدُ اَنَّ سَیِّدَنَا وَسَنَدَنَا وَشَفِیْعَنَا وَحَبِیْبَنَا مُحَمَّدًا عَبْدُہٗ وَرَسُوْلُہٗ اَرْسَلَہُ اللّٰہُ تَعَالٰی مِنْ بَیْنِ یَدَیِ السَّاعَةِ بَشِیْرًا وَّنَذِیْرًا وَّدَاعِیًا اِلَی اللّٰہِ بِاِذْنِہٖ سِرَاجًا مُّنِیْرًا.

اَمَّا بَعْدُ!

فَاِنَّ خَیْرَ الْکَلَامِ کِتَابُ اللّٰہِ وَخَیْرَ الْھُدٰی ھُدٰی مُحَمَّدٍ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ وَشَرَّ الْاُمُوْرِ مُحْدَثَاتُھَا وَکُلَّ مُحْدَثَةٍ بِدْعَةٍ وَکُلَّ بِدْعَةٍ ضَلَالَةٌ وَکُلَّ ضَلَالَةٍ فِی النَّارِ.

اَعُوْذُ بِاللّٰہِ السَّمِیْعِ الْعَلِیْمِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ مِنْ ھَمْزِہٖ وَنَفْخِہٖ وَنَفْثِہٖ

لَقَدْ مَنَّ اللّٰہُ عَلَی الْمُؤْمِنِیْنَ اِذْ بَعَثَ فِیْھِمْ رَسُوْلًا مِّنْ اَنْفُسِھِمْ یَتْلُوْا عَلَیْھِمْ اٰیٰتِہٖ وَیُزَکِّیْھِمْ وَیُعَلِّمُھُمُ الْکِتٰبَ وَالْحِکْمَةَ وَاِنْ کَانُوْا مِنْ قَبْلُ لَفِیْ ضَلٰلٍ مُّبِیْنٍ [1]

حضرات [illegible]ین! انسان دو اجزاء سے مرکب ہے: روح اور جسم۔ چنانچہ ارشاد رب العالمین ہے:

الَّذِیْٓ اَحْسَنَ کُلَّ شَیْءٍ خَلَقَہٗ وَبَدَاَ خَلْقَ الْاِنْسَانِ مِنْ طِیْنٍ ثُمَّ جَعَلَ نَسْلَہٗ مِنْ سُلٰلَةٍ مِّنْ مَّآءٍ مَّھِیْنٍ ثُمَّ سَوّٰہُ وَنَفَخَ فِیْہِ مِنْ رُّوْحِہٖ وَجَعَلَ لَکُمُ السَّمْعَ وَالْاَبْصَارَ وَالْاَفْئِدَةَ [2]

''اس نے جو بھی چیز بنائی، خوب ہی بنائی اور اس نے انسان کی تخلیق کی

---

[1] آل عمران: ۱۶۴ [2] السجدہ: ۷-۹

ابتدا مٹی سے کی۔ پھر اس کی نسل ایسے ست سے بنائی جو حقیر پانی کی طرح ہے، پھر اسے درست کیا اور اس میں اپنی روح پھونکی اور تمہیں کان اور آنکھیں اور دل دیا۔"

ان دونوں اجزاء کا تقاضا یہ ہے کہ ان کو مقوی غذا حاصل ہو، تاکہ وہ ضعف و علالت سے محفوظ رہیں۔ اب یہ معلوم کرنا لازمی ہے کہ ان دونوں کی غذا کس چیز سے بنتی ہے؟

روح کی غذا

سو اول جزء کے متعلق سنئے کہ اس کی غذا تین اشیاء سے مرکب ہے۔

۱- تلاوت قرآن اور اس پر عمل کرنا۔

چنانچہ فرمان رب الاکوان ہے کہ:

وَنُنَزِّلُ مِنَ الْقُرْاٰنِ مَا هُوَ شِفَآءٌ وَّرَحْمَةٌ لِّلْمُؤْمِنِيْنَ [1]

"اور ہم نازل کرتے ہیں قرآن میں سے وہ چیز جو مومنین کے لئے شفا اور رحمت ہے۔"

نیز فرمایا کہ:

يَّهْدِيْ بِهِ اللّٰهُ مَنِ اتَّبَعَ رِضْوَانَهٗ سُبُلَ السَّلٰمِ وَيُخْرِجُهُمْ مِّنَ الظُّلُمٰتِ اِلَى النُّوْرِ بِاِذْنِهٖ وَ يَهْدِيْهِمْ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ [2]

"اس قرآن کے ذریعے اللہ تعالیٰ ان لوگوں کو سلامتی کے راستے کی طرف ہدایت کرتا ہے جو اس کی رضا کے طالب ہیں اور اپنے اذن سے ان کو اندھیروں سے نکال کر اجالے کی طرف لاتا ہے اور راہ راست کی طرف رہنمائی کرتا ہے۔"

نیز فرمایا:

وَاِذَا تُلِيَتْ عَلَيْهِمْ اٰيٰتُهٗ زَادَتْهُمْ اِيْمَانًا وَّعَلٰى رَبِّهِمْ يَتَوَكَّلُوْنَ [3]

---

[1] بنی اسرائیل: ۸۲ [2] مائدہ: ۱۶ [3] الانفال: ۳

''اور جب ان پر اس کی آیات پڑھی جاتی ہیں تو ان کا ایمان بڑھ جاتا ہے اور اپنے رب پر توکل کرتے ہیں۔''

اور اسی طرح اس حدیث میں اشارہ ہے جو امام بیہقی کے شعب الایمان میں بایں لفظ مروی ہے:

اِنَّ هٰذِهِ الْقُلُوْبَ تَصْدَأُ كَمَا يَصْدَأُ الْحَدِيْدُ اِذَا اَصَابَهُ الْمَاءُ قِيْلَ يَا رَسُوْلَ اللهِ وَمَا جَلَاءُ هَا قَالَ كَثْرَةِ ذِكْرُ الْمَوْتِ وَتِلَاوَةِ الْقُرْآنِ[1]

''ان دلوں کو زنگ لگ جاتا ہے، جس طرح لوہے کو پانی لگنے کی وجہ سے زنگ لگتا ہے۔ عرض کیا گیا کہ اے اللہ کے رسول ﷺ! وہ کس طرح صاف ہوگا؟ آپ ﷺ نے فرمایا کہ: موت کو کثرت سے یاد کرنے اور قرآن مجید کی کثرت سے تلاوت کرنے سے۔''

اور یہ دوسری حدیث بھی اسی طرف مشیر ہے جو کہ ترمذی شریف میں بایں الفاظ مروی ہے کہ:

مَنْ قَرَأَ حَرْفًا مِنْ كِتَابِ اللهِ فَلَهُ بِهِ حَسَنَةٌ وَالْحَسَنَةُ بِعَشْرِ اَمْثَالِهَا لَا اَقُوْلُ الٓمّٓ حَرْفٌ وَلٰكِنْ اَلِفٌ حَرْفٌ وَ لَامٌ حَرْفٌ وَ مِيْمٌ حَرْفٌ[2]

''جس نے قرآن مجید کا ایک حرف پڑھا، اس کے لئے ایک نیکی ہے اور وہ نیکی دس نیکیوں کے برابر ہے۔ میں یہ نہیں کہتا کہ الٓمٓ ایک حرف ہے، بلکہ الف ایک حرف ہے، لام ایک حرف ہے اور میم ایک حرف ہے۔''

اس حدیث کے متعلق یہ شان وارد ہے کہ:

وَمَنْ يَّبْتَغِ غَيْرَ الْاِسْلَامِ دِيْنًا فَلَنْ يُّقْبَلَ مِنْهُ وَهُوَ فِي الْاٰخِرَةِ مِنَ الْخٰسِرِيْنَ[3]

''جو کوئی سوائے اسلام کے اور کسی دین کو طلب کرے گا تو وہ اس سے ہرگز قبول نہ ہوگا اور وہ آخرت میں زیاں کاروں میں سے ہوگا۔''

---

[1] شعب الایمان للبیهقی: ۲/۳۵۳ (۲۰۱۴)
[2] جامع ترمذی – ابواب فضائل القرآن، باب ماجاء فی من قرأ حرفا من القرآن ماله من آخر (۲۹۱۰)
[3] آل عمران: ۸۵

اور اسی طرح حدیث شریف میں مذکور ہے کہ:

كُلُّهُمْ فِي النَّارِ اِلَّا مِلَّةً وَاحِدَةً [1]

''ان تہتر فرقوں میں سے ایک کے سوا باقی سب جہنم میں جائیں گے۔''

یہ ضابطہ **مَا اَنَا عَلَيْهِ وَاَصْحَابِي الْيَوْم** سوائے مذہب اہل حدیث کے اور کسی مذہب میں نہیں پایا جاتا اور اسی کی طرف اس حدیث شریف میں ارشاد ہے جو کہ ترمذی شریف میں بایں الفاظ مبارکہ مروی ہے کہ:

اِنَّ الدِّيْنَ بَدَاَ غَرِيْبًا وَيَرْجِعُ غَرِيْبًا فَطُوْبٰى لِلْغُرَبَاءِ الَّذِيْنَ يُصْلِحُوْنَ مَا اَفْسَدَ النَّاسَ مِنْ بَعْدِيْ مِنْ سُنَّتِيْ [2]

''دین ابتداء میں غریب ہوکر شروع ہوا تھا اور ویسا ہی غریب ہوکر لوٹے گا پس خوشخبری ہو واسطے غریبوں کے اور وہی درست کریں گے اس چیز کو جس کو لوگ میرے پیچھے بگاڑیں گے میری سنت سے۔''

اس صفت سے متصف صرف ہمارے بھائی اہل حدیث ہی ہیں نہ کہ اور کوئی۔
اور جو لوگ اس مذہب اہل حدیث سے عار اور روگردانی کرتے ہیں، ان کو فی الواقع اس بے بہا چیز کا مزہ حاصل نہیں ہوا ہے، اگر ہوتا تو ضرور ہم پر طعن زنی سے باز آجاتے اور خود بھی اس بحر بے کنار میں غوطہ مارتے۔ سعدی مرحوم نے فرمایا ہے کہ:

قاضی از باما نشید بر فسانہ دست را
محتسب گر می خورد معذور دارد دست را

اور ان احباب و اخوان کے لئے ضروری ہے کہ یکبار اس گلستان میں تشریف لے آئیں اور اس کے شگفتہ درختوں سے کچھ میوہ چینی کریں تا کہ ان کو بخوبی پتہ لگ جائے کہ:

هم قوم لا يشقى جليسهم

''یہ ایسے لوگ ہیں جن کے پاس بیٹھنے والا نامراد نہیں ہوتا۔''

اس نامور بوستان کا نام ہے یا اور کسی کا؟ اور اسی معنیٰ میں نواب صدیق حسن خان نے کیا خوب کہا ہے کہ:

---

[1] ترمذی – باب ماجاء فی افتراق هذه الامة (۲۶۴۱) [2] ترمذی – كتاب الايمان (۲۶۳۰)

بیا بگلشن ست کہ رنگ وبو بینی
نروید از گل تقلید جز گیاہ دگر

اہل حدیث کے امتیازی مسائل

اس واسطے خیال خاطر ہے کہ مذہب اہل حدیث کے چند امتیازی مسائل بیان کروں تاکہ ہر مسلمان کو عموماً معلوم ہو جائے کہ اگر حق ہے تو مذہب اہل حدیث کی طرف ہے نہ کسی اور کی طرف۔ اس لئے کہ سعدی مرحوم نے فرمایا ہے کہ:

چو در بستہ باشد چہ داند کسے
کہ جوہر فروش ہست یا پیلے ور

اور برادران اہل حدیث کو خصوصاً یہ آگاہی حاصل ہو جائے کہ اس رنگین اور خوشبودار گلستان میں اور اس کے بانی (نبی آخر الزمان ﷺ) کی دامن گیری سے ہمارے شان میں کیا اضافہ ہوا ہے؟

بگفتا من گلے ناچیز بودم — ولیکن مدتے باگل نشستم
جمال ہم نشیں در من اثر کرد — وگرنہ من ہماں خاکم کہ ہستم

اس کے بعد واضح ہو کہ امتیازی مسائل تو بے شمار ہیں، لیکن یہاں ان میں سے صرف بعض ضروری مسائل بیان کیے جاتے ہیں جن کا اس دور و زمان میں خوب چرچا ہے۔

پہلا مسئلہ:

ظہر کے وقت کا تعین

اس کے متعلق جناب سرور کائنات فداہ ابی و امی وعیالی ونفسی ومالی ﷺ جس کے شان مبارک میں وارد ہے کہ:

فَلَا وَرَبِّكَ لَا يُؤْمِنُونَ حَتّٰى يُحَكِّمُوكَ فِيمَا شَجَرَ بَيْنَهُمْ ثُمَّ لَا يَجِدُوا فِيٓ أَنْفُسِهِمْ حَرَجًا مِّمَّا قَضَيْتَ وَيُسَلِّمُوا تَسْلِيمًا [1]

---

[1] نساء: ۶۵

”پس تیرے رب کی قسم! وہ مؤمن نہیں ہوسکتے یہاں تک آپس کے تنازعات میں آپ کو فیصلہ کرنے والا نہ مان لیں۔ پھر اپنے دلوں میں کوئی تنگی محسوس نہ کریں اور اچھی طرح سر تسلیم خم کرلیں۔“

اسی ذات گرامی کا فرمان مبارک مسلم شریف میں ہے کہ:

قَالَ وَقْتُ الظُّهْرِ اِذَا زَالَتِ الشَّمْسُ وَكَانَ ظِلُّ الرَّجُلِ كَطُوْلِهٖ مَالَمْ يَحْضُرِ الْعَصْرُ[1]

”فرمایا کہ: ظہر کا وقت اس وقت شروع ہوتا ہے جب سورج ڈھل جائے اور آدمی کا سایہ اس کے مثل ہو، جب تک عصر کا وقت شروع نہ ہو۔“

اس حدیث شریف سے صراحتہً ثابت ہوا کہ نماز ظہر کا وقت ایک مثل تک رہتا ہے اور ایک مثل گذرنے کے بعد نماز عصر کا وقت شروع ہوجاتا ہے اور ظہر کے وقت کا دو مثلوں تک باقی رہنا کسی حدیث شریف سے ثابت نہیں۔ باقی جو بخاری شریف کی حدیث شریف پیش کی جاتی ہے، جس میں ہے کہ: آپ ﷺ سفر میں تھے اور مؤذن نے اذان دینے کا ارادہ کیا تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ: ٹھنڈا ہونے دو مؤذن نے (تھوڑی دیر بعد) پھر چاہا کہ اذان دے، لیکن آپ ﷺ نے فرمایا کہ ٹھنڈا ہونے دو یہاں تک کہ ہم نے ٹیلوں کا سایہ ڈھلا ہوا دیکھ لیا...... الخ۔[2] وہ ہم پر حجت نہیں بن سکتی، کیونکہ اول تو یہ سفر کا واقعہ ہے۔ چنانچہ خود مذکورہ حدیث شریف میں اس کی تصریح موجود ہے اور حدیث شریف میں سفر وغیرہ میں جمع بین الصلوتین کی اجازت وارد ہے۔ پس ہوسکتا ہے کہ آپ نے جمع بین الظهر والعصر کے ارادہ سے تاخیر فرمائی ہو۔ علاوہ ازیں یہ حدیث بخاری شریف کے دوسرے مقام ”باب الابراد بالظهر فی شدة الحر“ میں بھی موجود ہے اور وہاں بھی یہ الفاظ ”حتی رأينا فی التلول“ کے ہیں۔ اب ان دونوں لفظوں کے ملانے

---

[1] صحیح مسلم، کتاب المساجد ومواضع الصلاة باب اوقات الصلوٰۃ الخمس (۱۳۸۸) عن ابن عمر

[2] صحیح بخاری – کتاب مواقیت الصلوٰۃ: باب الابراد بالظهر فی السفر (۵۳۹)

سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ سایہ کے برابر ہونے سے یہ مراد ہے کہ سایہ ٹیلوں کی چوٹی سے جڑ تک پہنچ جائے، کیونکہ ٹیلوں کا سایہ اکثر اسی وقت دیکھنے میں آتا ہے، جبکہ ان کی چوٹی سے برابر ہوجاتا ہے اور یہ قاعدہ مسلمہ ہے کہ احادیث ایک دوسری کی تفسیر ہوا کرتی ہیں، تو معلوم ہوا کہ ظہر کا وقت ایک مثل تک ہے اور اس کے بعد عصر کا وقت شروع ہوجاتا ہے۔

دوسرا مسئلہ:

نقض الوضوء بمس الذکر
شرمگاہ کو ہاتھ لگانے سے وضو کا ٹوٹنا

اس کے متعلق نبی اکرم ﷺ کا یہ حکم سنن اربعہ وغیرہا میں بسرۃ بنت صفوان رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے مروی ہے کہ:

اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ قَالَ مَنْ مَسَّ ذَکَرَہٗ فَلْیَتَوَضَّأْ [1]

"رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ جس نے اپنے ذکر کو مس کیا، اسے چاہیے کہ وضو کرے۔"

یہ حدیث بالکل صحیح ہے اور اس کی سند میں بالکل کلام نہیں ہے۔

چنانچہ اس کا شان مبارک جناب امام المحدثین بخاری نے اس طرح بتلایا ہے کہ:

"اصح شیء فی ھذا الباب"

"اس باب میں جتنی حدیثیں مروی ہیں ان سب میں سے یہ حدیث صحیح تر ہے۔" [2]

---

[1] سنن ترمذی: کتاب الطھارت: باب الوضوء من مس الذکر (۸۳)
سنن نسائی: کتاب الغسل والتیمم: باب الوضوء من مس الذکر (۴۴۸)
سنن ابوداؤد: کتاب الطھارۃ باب الوضوء من مس الذکر (۱۸۱)
سنن ابن ماجہ: کتاب الطھارۃ: باب الوضوء من مس الذکر (۴۷۹)

[2] سنن ترمذی: ۲۳ (۸۴) دار السلام

اسی حدیث کو امام الجرح والتعدیل یحییٰ بن معین رحمۃ اللہ علیہ، امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ، ابن خزیمہ، ابن حبان، دارقطنی، بیہقی، ابوحامد بن الشرق اور حازمی نے صحیح کہا ہے۔[1] اس حدیث کے علاوہ اور بھی بہت سی احادیث مروی ہیں لیکن خوف طوالت کی وجہ سے ان کو ذکر نہیں کرتے، کیونکہ "خیر الکلام ما قل و دل" اور ہماری تائید کے لئے یہ ایک حدیث شریف ہی کافی ہے۔ باقی جو طلق بن علیؓ والی روایت ہے، اس میں حضرات محدثین نے کلام کیا ہے۔ (ملاحظہ ہو مطولات) علیٰ تقدیر الصحۃ یہ حدیث منسوخ ہے۔ کیونکہ بسرۃ وغیرہ کی حدیثیں ان سے متاخر سمجھی جاتی ہیں۔ اس لئے کہ یہ بنسبت طلق کے متاخر الاسلام ہیں۔[2] علاوہ بریں اگر ان دونوں حدیثوں کو جمع کیا جائے تو بھی ہمارا مذہب ہی ثابت ہوتا ہے۔ مثلاً بسرۃ وغیرہ کی حدیثیں بغیر حائل پر اور طلق والی حدیث کو بمع حائل پر حمل کیا جائے۔ چنانچہ صحیح ابن حبان وغیرہ میں آنحضرت ﷺ سے بروایت ابی ہریرۃ رضی اللہ عنہ منقول ہے کہ:

اِذَا اَفْضٰی اَحَدُکُمْ بِیَدِہٖ اِلٰی فَرْجِہٖ وَلَیْسَ بَیْنَھُمَا سَتْرٌ وَّلَا حِجَابٌ فَلْیَتَوَضَّأ[3]

"جب تم میں سے کسی نے اپنی شرمگاہ کو اپنے ہاتھ سے چھولیا اور ان (ہاتھ اور شرمگاہ) کے درمیان کوئی رکاوٹ یا پردہ نہ ہو تو اسے وضو کرنا چاہئے۔"

اس حدیث شریف کو امام حاکم اور ابن السکن اور ابن عبدالبر نے صحیح کہا ہے۔[4]

تو معلوم ہوا کہ مس الذکر من غیر حائل ناقص الوضوء ہے۔ وھو الحق ان شاء اللہ تعالیٰ والحق احق ان یتبع.

اس کے بعد واضح ہو کہ یہ حکم جس طرح مردوں کے لئے ہے، اسی طرح عورتوں کے لئے بھی ہے۔ کیونکہ وہ شقائق الرجال ہیں اور کوئی ایسی دلیل وارد نہیں

---

[1] نیل الاوطار للشوکانی: ۱/۲۱۵

[2] کتاب الاعتبار للحازمی: ۱۵۰

[3] صحیح ابن حبان (۱۱۱۸)

[4] تحفۃ الاحوذی: ۱/۲۲۷

کہ ہم عورتوں کو اس مسئلہ میں خاص کرسکیں۔ علاوہ ازیں خود مسند امام احمد اور بیہقی وغیرہ میں بروایت عبداللہ بن عمرو نبی اکرم ﷺ سے منقول ہے کہ:

اَیُّمَا اِمْرَأَۃٌ مَسَّتْ فَرْجَھَا فَلْتَتَوَضَّأْ [1]

''جس عورت نے اپنے سرمگاہ کو چھویا تو وہ وضوء کرلے۔''

اور اس حدیث کے متعلق امام المحدثین وطبیب الحدیث فی عللہ سیدنا امام بخاری کا یہ فیصلہ ہے کہ ھو عندی صحیح [2]

تیسرا مسئلہ:

نقض الوضوء باکل لحم الابل
اونٹ کے گوشت کھانے سے وضوء کا ٹوٹنا

اس کے متعلق مسلم شریف میں ہے کہ:

اَنَّ رَجُلًا سَاَلَ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ: "اَتَوَضَّأُ مِنْ لُحُوْمِ الْغَنَمِ؟" قَالَ: "اِنْ شِئْتَ فَتَوَضَّأْ، وَاِنْ شِئْتَ فَلَا تَتَوَضَّأْ." قَالَ: "اَتَتَوَضَّأُ مِنْ لُحُوْمِ الْاِبِلِ؟" قَالَ: "نَعَمْ! فَتَوَضَّأْ مِنْ لُحُوْمِ الْاِبِلِ" [3]

''ایک شخص نے رسول اللہ ﷺ سے بکری کے گوشت کھانے کی وجہ سے وضو کرنے کے بارے میں معلوم کیا۔ آپ ﷺ نے فرمایا کہ: اگر چاہو تو وضو کرلو اور اگر چاہوتو وضو نہ کرو۔ اس نے عرض کیا کہ: کیا ہم اونٹ کے گوشت کھانے کی وجہ سے وضو کریں؟ آپ ﷺ نے فرمایا: ہاں! اونٹ کے گوشت کھانے کی وجہ سے وضو کرلو۔''

---

[1] مسند امام احمد بن حنبل: ۲/۲۲۳ – سنن الکبریٰ للبیہقی: ۱/۲۲۸ طبع جدید

[2] ملاحظہ ہو: کتاب العلل للترمذی:

[3] صحیح مسلم، کتاب الحیض – باب الوضوء من لحوم الابل (۸۰۲) عن جابر بن سمرہ

باقی جو احادیث ترک الوضوء مما مست النار کے متعلق وارد ہیں وہ اس محل النزاع سے خارج ہیں۔ کیونکہ ان حدیثوں میں یہ بیان ہے کہ آگ پر پکی ہوئی چیز سے وضو ٹوٹ جاتا ہے یا نہیں اور یہاں یہ گفتگو ہے کہ اونٹ کے مطلق گوشت کھانے سے وضو ٹوٹ جاتا ہے یا نہیں؟ پھر گوشت پکا ہوا ہو یا کچا یا قدید؟[1]

چوتھا مسئلہ:

قے، خون بہنے اور ہنسنے سے وضو کا ٹوٹنا

اس کے متعلق ہمارے احباب اہل حدیث کا یہ مذہب ہے کہ ان تینوں سے وضو نہیں ٹوٹتا اور حق بھی یہ ہے۔ اس لئے کہ کسی صحیح حدیث سے ان تین اشیاء سے وضو کرنے کا حکم ثابت نہیں ہے اور جو کچھ وارد ہوا ہے وہ سب ضعیف اور نا قابل اعتبار ہے۔ مثلاً جو قے کے متعلق ترمذی وغیرہ میں ہے کہ:

اَنَّ رَسُوْلَ اللهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَاءَ فَتَوَضَّأَ[2]

''آنحضرت ﷺ نے قے کی پھر آپ نے وضو کیا۔''

اول تو یہ حدیث نا قابل اعتبار ہے، کیونکہ لفظ فتوضأ شاذ ہے۔ اس لئے کہ یہ حدیث سنن ابی داؤد میں مذکور ہے[3] اور وہاں بجاء لفظ فتوضأ کے فافطر ہے، یعنی آپ نے افطار کر دیا اور اس کی تائید کے لیے التلخیص الحبیر ملاحظہ ہو۔[4] علی تقدیر الصحۃ یہ حدیث ہم پر دو وجہ سے حجت نہیں بن سکتی۔

اولاً: یہاں فاء سببیہ کی نہیں بلکہ تعقیب کے لئے ہے، جیسا کہ امام طحاوی حنفی کی کتاب شرح المعانی الآثار[5] سے معلوم ہوتا ہے۔

---

1. ملاحظہ ہو: زاد المعاد للامام ابن قیم جوزی
2. جامع ترمذی — کتاب الطہارت باب (ماجاء فی) الوضوء من القئ والرعاف (۸۷)
3. سنن ابی داؤد — کتاب الصیام باب الصائم یستقئ عامداً (۲۳۸۱)
4. التلخیص الحبیر: ۲/۱۱۴
5. شرح المعانی الآثار: ۹۶/۲

ثانیاً: یہ آپ کا فعل ہے اور آپ کا فعل وجوب کے لئے نہیں بلکہ استحباب کے لئے ہے۔ ملاحظہ ہو کتب اصول فقہ حنفی وغیرہ۔

اسی طرح خون کے متعلق سنن ابن ماجہ میں مرفوعاً مروی ہے کہ:

مَنْ اَصَابَهُ قَيْءٌ اَوْ رِعَافٌ اَوْ قَلَسٌ اَوْ مَذِيٌ فَلْيَنْصَرِفْ فَلْيَتَوَضَّأْ الخ[1]

اس کے متعلق ہم اور کچھ کہنا نہیں چاہتے، بلکہ اتنا کہنے سے نہیں رہ سکتے کہ خود علامہ نیموی نے ''آثار السنن'' میں اس حدیث کے متعلق لکھا ہے کہ:

وفی اسنادہ مقال[2]

''اس حدیث کی سند میں کلام ہے۔''

ناظرین! علامہ نیموی جیسے مشہور حنفی کا اتنا ہی کہنا نزاع کے لئے بیخ کن ہے۔

اسی طرح ہنسنے کے متعلق ابو موسیٰ کی طبرانی میں ضریر والی روایت ہے۔ اس کے متعلق بھی ہم اور کچھ نہیں کہتے فقط علامہ نیموی کے فیصلہ پر اکتفاء کرتے ہیں۔ علامہ ممدوح آثار السنن میں لکھتے ہیں کہ:

والارسال صحیح فی الباب[3]

''اس باب میں مرسل حدیثیں صحیح ہیں نہ کہ موصول۔''

جمیع محدثین کا اصول ہے کہ مرسل روایت بالکل حجت نہیں ہے۔ ملاحظہ ہو کتب اصول حدیث۔ علاوہ بریں یہ مرسل ابی العالیۃ الریاحی کی ہے اور اس کے متعلق امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کا فرمان ہے کہ:

---

[1] **سنن ابن ماجہ — کتاب الصلاۃ: باب ماجاء فی البناء علی الصلاۃ (۱۲۲۱)**
یہ حدیث ضعیف ہے۔ حافظ ابن حجر نے صراحت کی ہے کہ امام احمد و دیگر محدثین نے اس کو ضعیف کہا ہے۔ (سبل السلام: ۱۰۶/۱) اس سلسلے کی جتنی بھی روایات مروی ہیں تمام ضعیف ہیں۔ مذکورہ روایت مرسل ہے اور محدثین کے نزدیک مرسل روایت ضعیف ہوتی ہے اور وہ حجت بھی نہیں ہوتی۔
(مقدمہ صحیح مسلم)

[2] **آثار السنن: ۷۳ (۱۵۳)**

[3] **ایضاً: ۷۵**

حدیث ابو العالیہ الریاحی ریاح[1]
"ابو العالیہ کی مرسل حدیث ہوا کی مانند ہے۔"

پانچواں مسئلہ:

فاتحہ خلف الامام

پہلی حدیث

فاتحہ خلف الامام کے متعلق نبی اکرم ﷺ کا فرمان مبارک صحیحین (جن کی صحت پر اتفاق فی جمیع الآفاق ہے) میں اس طرح مروی ہے کہ:

لَا صَلٰوۃَ لِمَنْ لَمْ یَقْرَاْ بِفَاتِحَۃِ الْکِتَابِ[2]

"اس کی نماز نہیں، جو فاتحہ نہیں پڑھتا۔"

اب یہ حدیث شریف بعمومہ امام، مقتدی اور منفرد، تینوں کو شامل ہے۔ اور اس کے عام ہونے پر لفظ من دال ہے جو کہ الفاظ عموم میں سے ہے اور جیسے یہ حدیث شریف ہر مصلی کو عام ہے ویسے ہر نماز (فرض ہو خواہ نفل) کو بھی عام ہے اور اس عموم پر لفظ لا صلوٰۃ دلالت کرتا ہے اور اس عام کو خاص کرنے کے لئے جو دلائل پیش کیے گئے ہیں وہ سب بے سروپا ہیں۔ اس لئے امام خطابی نے لکھا ہے کہ:

ھذا عموم لا یجوز تخصیصہ الا بدلیل[3]

"اس حدیث شریف کا حکم عام ہے اور اس سے کسی فرد کو خاص کرنا بغیر کسی دلیل کے جائز نہیں ہے۔"

اور اسی طرح امام المغرب ابن عبدالبر النمری (جن کی اگر علمی حیثیت معلوم کرنی ہو تو ان کے تلمیذ رشید فخر الاندلس ابن حزم کی تصانیف کی طرف رجوع

---

[1] تھذیب التھذیب: ۳/۲۴۷
[2] صحیح بخاری: کتاب الآذان - باب وجوب القرأۃ لامام والماموم (۷۵۶)
صحیح مسلم: کتاب الصلوٰۃ - باب وجوب قراءۃ الفاتحۃ الخ (۸۷۴)
[3] معالم السنن: ۱/۱۷۷

کیجئے) وہ بھی اس مذکورہ حدیث شریف کے عموم کے قائل ہیں۔ چنانچہ اپنی مایہ ناز قابل فخر کتاب "التمہید" میں اس کے متعلق فرماتے ہیں کہ:

عام لا خصه شيء لان رسول الله صلى الله عليه وسلم لم يخص بقوله ذلک مصليا من مصل [۱]

"یہ حدیث عام ہے اور اس کو خاص کرنے والی کوئی چیز نہیں ہے، کیونکہ آنحضرت ﷺ نے اپنے مذکور قول مبارک سے کسی نمازی کو خاص نہیں کیا ہے (تو آپ کی تخصیص کے بغیر یہ عام کیونکر خاص ہوسکتا ہے)"

پھر اگر کوئی کہے کہ لا صلوٰۃ میں کلمہ "لا" سے مراد نفی کمال کی ہے۔ تو اس کا جواب یہ ہوگا کہ یہاں "لا" سے نفی کمال کی مراد لینا ہرگز جائز نہیں ہے۔ یہ دو وجہ سے جائز نہیں ہے:

اولاً: کلمہ لا نفی جنس کے واسطے ہے اور یہ کلمہ ذات کی نفی کے لئے موضوع ہوا ہے نہ کہ نفی کمال کے لیے۔ پس معنیٰ حقیقی سے بلاوجہ اعراض کر کے نفی کمال مراد لینا ہرگز جائز نہیں اور اگر فرض کیا جائے کہ انتفاء ذات صلوٰۃ غیر ممکن ہے تو اس تقدیر پر بھی صحت کی طرف سے رجوع ہوگا نہ کہ کمال کی طرف۔ کیونکہ نفی صحت اور نفی کمال اگرچہ دونوں مجازی معنیٰ ہیں لیکن نفی صحت کی **اقرب الی الحقیقة** ہے اور بر تقدیر عدم استقامت معنیٰ حقیقی کے **اقرب المجاز** میں مراد لینا بالاجماع اولیٰ ہے۔[۲] علامہ آلوسی فرماتے ہیں:

والحمل على المجاز الاقرب عند تعذر الحقيقة اولى بل واجب بالاجماع [۳]

"حقیقی معنیٰ متعذر رہونے وقت مجاز اقرب پر محمول کرنا اولیٰ بلکہ واجب بالاجماع ہے۔"

ثانیاً: دوسری وجہ یہ ہے کہ دارقطنی، ابن خزیمہ، ابن حبان اور حاکم کی بعض روایات

---

[۱] التمہید: ۴/۴۴۲

[۲] یہ قاعدہ ہے کہ جب کسی عبارت سے دو مجازی مفہوم نکلتے ہوں تو جو مفہوم حقیقت کے قریب ہوگا، وہی قابل قبول ہوگا۔ [۳] تفسیر روح المعانی

میں لفظ لا تجزئ واقع ہوا ہے۔ پھر یہاں نفی کمال کی مراد لینا کیونکر صحیح ہوسکتا ہے۔ کیونکہ الاحادیث یفسر بعضها بعضا.

دوسری حدیث

مسلم شریف میں ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا کہ:

"مَنْ صَلّٰى صَلٰوةً لَمْ يَقْرَأْ فِيْهَا بِاُمِّ الْقُرْآنِ فَهِيَ خِدَاجٌ" ثَلَاثًا، غَيْرُ تَمَامٍ. فَقِيْلَ لِاَبِيْ هُرَيْرَةَ: اِنَّا نَكُوْنُ وَرَآءَ الْإِمَامِ. قَالَ اِقْرَأْ بِهَا فِيْ نَفْسِكَ.[1]

"رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ: جو کوئی ایسی نماز پڑھے کہ اس میں سورۃ الحمد شریف نہ پڑھے تو وہ نماز ناقص ہے، ناقص ہے، ناقص ہے، پوری نہیں ہے!! پھر ابوہریرہؓ سے کہا گیا کہ ہم امام کے پیچھے ہوتے ہیں؟ تو ابوہریرۃ رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ: سورۃ فاتحہ آہستہ پڑھ لے۔"

اس حدیث سے بھی بخوبی ثابت ہوگیا کہ سورۃ الحمد کے بغیر نماز خداج ہے اور پوری نہیں ہے اور خداج نقصان ذاتی کو کہتے ہیں نہ کہ وصفی کو۔ چنانچہ علامہ جاراللہ الزمخشری "اساس البلاغۃ" میں لکھتے ہیں کہ:

ناقة خادج الوقت ولذها قبل الوقت[2]

اور اقرب الموارد میں ہے کہ:

خدج صلواته نقض بعض ارکانها[3]

اور یہ حدیث شریف بھی ہر مصلی کو عام ہے، کیونکہ اس میں بھی لفظ من واقع ہے جوکہ الفاظ عموم میں سے ہے۔

تیسری حدیث

ترمذی، ابوداؤد، نسائی میں بایں الفاظ مروی ہے کہ:

---

[1] صحیح مسلم: کتاب الصلوۃ: باب وجوب قراۃ الفاتحۃ فی کل رکعۃ الخ (۸۷۸)

[2] اساس البلاغۃ [3] اقرب الموارد

صلّی رسول اللہ ﷺ الصبح، فثقلت علیه القرأة، فلما انصرف قال: انی لاراکم تقرؤن وراء امامکم، قال قلنا: یا رسول اللہ ای واللہ! قال: "فلا تفعلوا الا بام القرآن، فانهٔ لا صلوٰة لمن لم یقرأ بها." [1]

"رسول اللہ ﷺ نے فجر کی نماز پڑھی تو آپ پر قرأت بھاری ہوگئی۔ جب آپ نے سلام پھیرا تو فرمایا کہ میں دیکھتا ہوں کہ تم لوگ اپنے امام کے پیچھے قرأت کرتے ہو؟ راوی کہتے ہیں کہ ہم نے عرض کیا کہ ہاں! اے اللہ کے رسول! اللہ کی قسم (ہم تلاوت کرتے ہیں) آپ ﷺ نے فرمایا کہ سورۃ فاتحہ کے علاوہ کچھ نہ پڑھا کرو، کیونکہ وہ نماز ہی نہیں جس میں سورۃ فاتحہ نہیں پڑھی جاتی۔"

یہ حدیث شریف بھی صحیح ہے اور اس کی صحت میں کوئی شبہ نہیں ہے۔ کیونکہ اس کو ترمذی اور دارقطنی نے حسن [2] اور بیہقی نے صحیح [3] اور حاکم نے **اسنادہ مستقیم** [4] اور خطابی نے **اسنادہ جید لا مطعن فیه** [5] اور ابن حجر نے **رجاله ثقات** [6] اور مولانا عبدالحی لکھنوی رحمہ اللہ نے **صحیح قوی السند** [7] کہا ہے۔

اعتراض: اگر کوئی کہے کہ اس حدیث کی سند میں محمد بن اسحاق واقع ہے اور وہ متکلم فیہ ہے۔

---

1. ترمذی: کتاب الصلوٰة: باب ماجاء فی قرأة خلف الامام (۳۱۱)
   ابوداؤد: کتاب الصلوٰة: باب من ترک القرأة فی صلاته بفاتحة الکتاب (۸۲۳)
   نسائی: کتاب الصلوٰة (۹۲۱)
2. الاحسان فی تقریب صحیح ابن حبان: ۸۶/۵
3. بیهقی فی السنن: ۱۶۴/۲
4. حاکم فی المستدرک: ۲۳۸/۱
5. معالم السنن: ۱۷۷/۱
6. درایة لابن حجر: ۱۶۴/۱
7. السعایه: ۳۰۳/۲

جواب: جواب اس کا یہ ہے کہ ابن اسحاق کے متعلق جتنی جرحیں نقل شدہ ہیں، وہ سب مرفوع ہیں اور حق یہ ہے کہ وہ بالکل ثقہ ہے اور ان کی توثیق کے متعلق علماء حنفیہ کی کتب کی طرف رجوع کیجئے مثلاً: فتح القدیر لابن الھمام، محلی شرح المؤطا للشیخ سلام اللہ الدہلوی اور سعایہ للمولانا عبدالحی اللکھنوی شھد شاھد من اھلھا۔

اعتراض: اگر کوئی کہے کہ محمد بن اسحاق مدلس بھی ہے۔

جواب: اس کا جواب یہ ہوگا کہ یہ حدیث سنن دارقطنی اور بیہقی اور مسند احمد میں دوسری سند سے مروی ہے، جس میں ابن اسحاق نے اپنے استاذ مکحول سے سماع کی تصریح کی ہے اور کہا ہے کہ حدثنی مکحول اور یہ قاعدہ ہے کہ جب مدلس راوی کسی حدیث کی سند میں ایک جگہ سماع کی تصریح کرتا ہے اور دوسری جگہ نہیں تو اس کی یہ دونوں حدیثیں محمول علی السماع ہوں گی۔[1] علاوہ بریں زید بن واقد وغیرہ نے بھی اس حدیث میں ابن اسحاق کی متابعت کی ہے۔[2]

الحاصل یہ حدیث صحیح ہے اور اس سے صراحتاً معلوم ہوا ہے کہ مقتدی کو امام کے پیچھے سورۃ فاتحہ پڑھنا نہایت ضروری امر ہے، کیونکہ آپ نے خاص مقتدیوں کو خطاب کر کے اس کے پڑھنے کا حکم فرمایا اور اس کی وجہ بیان فرمائی کہ اس کے بغیر نماز نہیں ہوتی۔

چوتھی حدیث

امام بیہقی کے جزء القراۃ میں مرفوعاً مروی ہے کہ:

لَا صَلٰوۃَ لِمَنْ لَّمْ یَقْرَأْ بِفَاتِحَۃِ الْکِتَابِ خَلْفَ الْاِمَامِ[3]

''جس نے امام کے پیچھے سورۃ فاتحہ نہیں پڑھی، اس کی نماز نہیں ہے۔''

اور اس حدیث شریف کے متعلق امام بیہقی کا یہ فیصلہ ہے کہ:

اسنادہ صحیح والزیادۃ التی فیہ صحیحۃ مشھورۃ من اوجہ کثیرۃ[4]

---

[1] شرح المھذب للامام نووی
[2] التلخیص الحبیر لابن الحجر – امام الکلام لعبد الحئی: ۲۵۸
[3] جزء القرأۃ: ۵۶
[4] ایضاً

"اس حدیث شریف کی اسناد صحیح ہے اور جو اس میں خلف الامام کی زیادتی ہے وہ بھی صحیح اور مشہور ہے (کیونکہ) بہت سی وجوہ سے مروی ہے۔"

پانچویں حدیث

طبرانی کی کتاب مسند الشامیین میں بایں الفاظ مبارکہ مروی ہے کہ:

مَنْ صَلّٰی خَلْفَ الْاِمَامِ فَلْیَقْرَأْ بِفَاتِحَةِ الْکِتَابِ[1]

"جو شخص امام کے پیچھے نماز پڑھے اس کو سورۃ فاتحہ پڑھنی چاہیے۔"

اور یہ حدیث بالکل صحیح اور قابل اعتبار ہے اور اس کا عکس حافظ ہیثمی کی کتاب "مجمع الزوائد" میں اس طرح ملتا ہے کہ:

"رجالہٗ موثقون"

اس حدیث شریف کے راوی سب پختہ اور معتبر ہیں۔[2]

ناظرین! بس یہ حدیث شریف جمیع مخالفین کے مذاہب کے لئے سیف قاطع ہے۔ چونکہ اس میں امام کے پیچھے سورۃ الحمد شریف پڑھنے کے لئے آپ کا امر مبارک موجود ہے اور یہ بات طرفین کے ہاں مسلم ہے کہ امر وجوب کے لئے ہوا کرتا ہے، جب تک اس کے لئے کوئی قرینہ صارفہ نہ پایا جائے، یہاں اور کوئی قرینہ صارفہ موجود نہیں تو اب فاتحہ خلف الامام کے واجب ہونے میں کیا شبہ رہا؟ ہاں اتنا واضح ہوا کہ حضرات حنفیہ اس کے لئے جو قرائن صارفہ پیش کرتے ہیں وہ سب ذی بصیرۃ واحدۃ کے سامنے کچھ نہیں ہیں۔ فضلا عن ذی بصیرتین (تھوڑی سمجھ بوجھ رکھنے والا بھی اچھی طرح اس کی حقیقت سمجھ سکتا ہے) اور ہم ان کے چند مشہور دلائل پیش کر کے علمی کیمرا کے ساتھ ان کا فوٹو کھینچتے ہیں تاکہ آپ کو حسن اور قبح کے درمیان امتیاز معلوم ہو جائے۔

---

[1] سند الشامیین للطبرانی: ۱۷۱/۱ (۲۹۱) ۵۴-۱۴۴ قلمی

[2] مجمع الزوائد للبیھقی: ۱۱۱/۲

احناف کے دلائل اور ان کے جوابات

دلیل اول

احناف کی پہلی دلیل قرآن مجید کی آیت واذا قرء القرآن الخ ہے۔ اس کے کئی جوابات ہیں لیکن یہاں چند جوابات پیش کیے جاتے ہیں۔

پہلا جواب

یہ آیت خود دوسری آیت کی معارض ہے، کیونکہ وَاِذَا قُرِئَ الْقُرْاٰنُ فَاسْتَمِعُوْا لَهٗ وَاَنْصِتُوْا بھی عام مقتدی وغیرہ کو شامل ہے تو فَاقْرَءُوْا مَا تَيَسَّرَ مِنَ الْقُرْاٰنِ بھی اس آیت کو شامل ہے اور علماء حنفیہ کا یہ اصول مسلم ہے کہ:

"جب دو آیتوں میں تعارض واقع ہو، تو اس وقت دونوں آیتیں ساقط ہوں گی اور حدیث کی طرف رجوع کرنا ہوگا۔" [1]

معلوم ہوا کہ یہ دونوں آیات ان کے اصول بستہ شدہ موجب ساقط عن الاحتجاج (وضع کردہ اصول کے مطابق دلیل لینے کے قابل نہیں) ہیں اور یہ تعجب کا مقام ہے کہ یہ حضرات نہ تو اپنے اصول کی پابندی کرتے ہیں اور نہ ہماری بات کو (جس میں کوئی شبہ نہیں) مانتے ہیں۔ مُّذَبْذَبِيْنَ بَيْنَ ذٰلِكَ لَآ اِلٰى هٰٓؤُلَآءِ وَلَآ اِلٰى هٰٓؤُلَآءِ

نہ خدا ہی ملا نہ وصال صنم - نہ ادھر کے رہے نہ اُدھر کے ہم

دوسرا جواب

اس آیت کریمہ (وَاِذَا قُرِئَ الْقُرْاٰنُ فَاسْتَمِعُوْا لَهٗ وَاَنْصِتُوْا) سے فاتحہ خلف الامام کی ممنوعیت پر دلیل پکڑنا اس امر پر موقوف ہے کہ اس آیت کریمہ میں قطعی طور پر اہل اسلام مخاطب ہوں۔ لیکن یہ ممنوع ہے بلکہ نظم قرآن و سلسلہ کلام الٰہی سے یہ بات معلوم ہوتی ہے کہ اس آیت کریمہ میں کفار مخاطب ہیں اور اس کو مسلمانوں سے کوئی تعلق نہیں ہے۔ کیونکہ یہ آیت اگر مسلمانوں کے لئے ہو اور اس میں مقتدی لوگ مخاطب مانے جائیں تو بہ ایں تقدیر اس آیت کا اپنے ماقبل سے کچھ

---

[1] نور الانوار: ۱۵۷ - تلویح: ۱۰۴

ارتباط نہیں رہتا اور کلام الٰہی کے سلسلہ میں انقطاع لازم آتا ہے اور نظم قرآن میں فساد پیدا ہوتا ہے۔ امام رازی تفسیر کبیر میں اس آیت کریمہ کے متعلق مفسرین کے اقوال نقل کرکے پھر فرماتے ہیں کہ:

وفی الآیة قول خامس وھو انه خطاب مع الکفار فی ابتداء التبلیغ ولیس خطاب مع المسلمین وھذا قول حسن مناسب [1]

"اس آیت کے متعلق (مذکور چار اقوال کے علاوہ) ایک اور پانچواں قول بھی ہے اور وہ یہ ہے کہ اس آیت کریمہ میں مسلمانوں کو خطاب نہیں ہے بلکہ ابتدائے اسلام میں کفار کو خطاب ہے اور یہ (پانچواں) قول بہتر اور مناسب ہے۔"

پھر امام رازی نے اس پانچویں قول کے بہتر اور مناسب ہونے کے ثبوت میں ایک مدلل بحث لکھی ہے، پھر اس کے آخر میں فرماتے ہیں کہ:

وعند ھذا یسقط استدلال الخصوم بھذہ الآیة من کل الوجوہ [2]

"یہ بات ثابت ہوئی کہ اس آیت کریمہ میں خطاب کفار کو ہے تو اس سے خصم کا استدلال جمیع وجوہ سے ساقط ہوجاتا ہے۔"

تیسرا جواب

اس آیت میں قطعاً پڑھنے کی منع نہیں ہے بلکہ جہر کرنے کی منع ہے۔ وھذا نفس من ھنا. کیونکہ "الانصات" جس طرح "سکوت" پر مستعمل ہوتا ہے، اس طرح آہستہ پڑھنے پر بھی ہوتا ہے۔ امیر الحفاظ امام بیہقی نے جزء القراۃ میں اس کی اچھی طرح سے وضاحت کی ہے۔ فارجع البصر ھل تریٰ من فطور.

چوتھا جواب

حضرات علماء احناف اس آیت کریمہ کے عموم سے خطبہ پڑھتے وقت درود شریف پڑھنے اور نماز فجر کے شروع ہونے کے بعد امام کے قرأۃ کرنے کی حالت

---

[1] تفسیر کبیر: ۱۵/۱۰۴

[2] تفسیر کبیر: ۱۵/۱۰۵

میں صفوں کے پیچھے سنت پڑھنے اور امام کے پیچھے ثنا وغیرہ پڑھنے کو خاص کرتے ہیں، تو مقتدی کی قرأۃ کو اس عموم سے خاص کرنے میں کیا مضائقہ ہے؟ بمع اس کے کہ ادلہ مذکورہ اور دیگر ادلہ اس کی تخصیص کے موجب ہیں۔

پانچواں جواب

اگر مانا جائے کہ یہ آیت کریمہ فاتحہ خلف الامام کی ممانعت پر دلالت کرتی ہے، تو بھی خصم کا اس سے دلیل نہیں بن سکتا، اس لئے کہ اس آیت کریمہ میں اگر پڑھنے کی منع ہے تو امام کے پڑھنے کی حالت میں ہے نہ کہ امام کے سکتات میں بھی۔ بلکہ احادیث شریفہ سے تو معلوم ہوتا ہے کہ امام کے سکتات میں فاتحہ شریفہ ضرور پڑھنی چاہئے۔[1]

دوسری دلیل

ان کی دوسری دلیل حدیث ”من کان لهٗ امام فقرأۃ الامام لهٗ قرأۃ“ ہے۔

جواب: اس کا جواب یہ ہے کہ یہ حدیث بالکل ضعیف اور غیر معتبر ہے اور اس کے ناقابل اعتبار ہونے کے متعلق تفصیلی بحث تو میرے رسالہ ”اظهار البرأۃ من حديث من كان له امام فقرأۃ الامام له قرأۃ“ میں دیکھئے۔ یہاں فقط میں اتنا کہنا چاہتا ہوں کہ اس حدیث کو امام بخاری نے ”لم يثبت“[2] اور دار قطنی، ابو حاتم اور ابن عدی نے ”والصواب مرسل“[3] اور ابو موسیٰ رازی نے ”لم يصح“ اور ابن الجوزی نے ”ليس فيها ما يثبت“[4] اور ابن حزم نے ساقط اور نووی نے ”كلها ضعيفة“[6] اور امام قرطبی نے اپنی تفسیر میں ”ضعيف“[7] اور صاحب المنتقیٰ نے ”كلها ضعاف“[8] اور ابن کثیر نے اپنی تفسیر میں ”لا يصح شيء منها“[9] اور حافظ ذہبی نے ”كلها واهية“

---

[1] جزء القرأۃ: ۲۰ تا ۲۷ طبع دهلی
[2] جزء القرأۃ: ۵
[3] علل الحدیث لابی حاتم: ۱۰۴
[4] العلل المتناهية: ۱/۳۴۱
[5] المحلیٰ
[6] شرح المهذب: ۳/۳۶۷
[7] تفسیر قرطبی: ۱/۱۲۲
[8] المنتقیٰ
[9] تفسیر ابن کثیر: ۱/۱۴ طبع بیروت
[10] میزان الاعتدال

اور ابن حجر نے فتح الباری میں ضعیف کہا ہے۔[1] علاوہ ازیں یہ حدیث صحیح بھی مانی جائے تو بھی کئی وجوہ سے مردود ہے، جن کو ہم نے مذکورہ رسالہ میں خوب اچھی طرح بیان کیا ہے اور من جملہ آنہاں یہ پانچ وجوہ ہیں:

پہلی وجہ: یہ کہ یہ حدیث ہماری حجت ہے نہ کہ خصم کی کیونکہ ضمیر "لہ" دوم کا مرجع امام ہے نہ کہ "من" کیونکہ وہ اس کے قریب ہے بنسبت من کے والحق للقریب اور خود مولانا ابوالحسن سندھی الحنفی نے بھی اس معنیٰ کو ترجیح دی ہے۔[2] پس اس حدیث کے یہ معنیٰ ہوں گے کہ جس کا امام ہو تو امام کی قرأۃ امام کے لئے ہی ہوگی۔ تو اب مسئلہ صاف واضح ہوا کہ مقتدی کے لئے امام کی قرأۃ نہیں اور مقتدی کو اپنی قرأۃ کرنی چاہیئے۔

دوسری وجہ: یہ حدیث حنفیوں کے مسلم اصول پر منسوخ ہے۔ کیونکہ ان کے کتب اصول میں ہے کہ:

> "جو صحابی اپنی مروی کے خلاف فتویٰ دے یا خلاف عمل کرے تو وہ حدیث منسوخ ہے۔"[3]

اس حدیث کے جتنے بھی روایت کنندہ صحابہ کرام ہیں وہ کل کے کل فاتحہ خلف الامام کے قائل ہیں (ملاحظہ ہو احقر کا رسالہ مذکورہ)

تو براہین و قانون کی رو سے یہ حدیث منسوخ ہوئی۔ فعلیھم بالانصاف اور عجب درعجب ہے کہ یہ لوگ اپنے مسلم شدہ اصول پر بھی نہیں چلتے اور ایسی حدیث جو ان کے ہاں منسوخ ہے اس کو اپنا دستور العمل بناتے ہیں۔ فالی اللہ المشتکی.

تیسری وجہ: یہ حدیث فاتحہ خلف الامام کی ممانعت میں نص ہی نہیں بلکہ ظاہر ہے اور یہ احتمال رکھتی ہے کہ اس سے مراد ماعدی الفاتحہ ہے اور جو ہمارے دلائل ہیں وہ نص ہیں، کیونکہ ان میں ام القرآن کی تعین ہے تو ہمارے یہ دلائل اس حدیث

---

[1] فتح الباری

[2] حاشیہ ابی الحسن علی سنن ابن ماجہ: ۱/ ۱۸۰

[3] نور الانوار: ۱۵۵

پر مقدم ہوں گے، کیونکہ یہ قاعدہ ہے کہ:

"جب نص اور ظاہر کا آپس میں تعارض واقع ہو تو اس وقت نص ظاہر پر مقدم ہوگی۔"[1]

چوتھی وجہ: اس حدیث کا مورد **ماعدی الفاتحہ** ہے۔ چنانچہ مولانا عبدالحی لکھنوی مرحوم نے امام الکلام میں لکھا ہے کہ:

"تو پھر یہ حدیث کیونکر خصم کی دلیل بن سکتی ہے کیونکہ اگرچہ **العبرۃ لعموم اللفظ** ہے اور نہ کسی خاص سبب کے لیے۔ لیکن دلائل میں تعارض دفع کرنے کے لئے اس کو اپنے مورد پر بند رکھا جاتا ہے۔"[2]

یہاں بھی دلائل کا آپس میں تعارض واقع شدہ ہے اس لئے ہم اس حدیث کو اپنے مورد (یعنی **ماعدی الفاتحہ**) پر محمول کرتے ہیں تو تعارض نہیں رہتا۔

پانچویں وجہ: اس حدیث کی ایک سند میں یہ الفاظ بھی واقع ہوا ہے: **وصلوتہٗ لہٗ صلوٰۃ** تو احناف کے نزدیک یہ معنیٰ ہوں گے کہ امام کی نماز مقتدی کی نماز ہے تو پھر اس آیت کا مصداق بنتا ہے کہ:

اَفَتُؤْمِنُوْنَ بِبَعْضِ الْكِتٰبِ وَتَكْفُرُوْنَ بِبَعْضٍ[3]

یہ تو تعجب خیز بات ہے کہ ایک گائے کا دودھ حلال اور اسی کا گوشت حرام؟

بریں عقل و دانش باید گریست

تیسری دلیل

حنیفہ کی تیسری دلیل مسلم شریف کی حدیث **اذا قرأ فانصتوا** ہے۔

جواب: لیکن یہ حدیث بھی صحیح نہیں، کیونکہ اس کی سند میں قتادہ واقع ہے وہ مدلس ہے۔[4] علاوہ بریں اکثر محدثین مثلاً بخاری،[5] ابوداؤد،[6] ابو حاتم،[7] یحییٰ بن معین،[8] حاکم،[9]

---

[1] اصول فقہ.
[2] فتح القدیر لابن الھمام
[3] سورۃ البقرہ: ۸۵
[4] طبقات المدلسین لابن حجر عسقلانی
[5] ملاحظہ ھو: جزء القراءۃ: ۲۹
[6] سنن ابوداؤد: ۱/ ۸۹
[7] علل الحدیث: ۱/ ۱۶۴
[8] یحییٰ بن معین فی تاریخہ: ۲/ ۲۲۹
[9] مستدرک حاکم

دار قطنی[1] ابن خزیمہ،[2] محمد بن یحی الذہلی،[3] ابو علی نیسابوری،[4] بیہقی[5] وغیرہم کا اس زیادتی (اذا قرأ فانصتوا) کے خطا ہونے پر اتفاق ہے۔ وعلی تقدیر الصحۃ بھی یہ حدیث کئی وجوہات سے ہمارے اوپر حجت نہیں ہے اور من جملہ ان کے یہ دو وجہ ہیں۔

پہلی وجہ: یہ کہ یہ حدیث حنفیہ کے مذکورہ اصول پر منسوخ ہے کیونکہ اس کے راوی ابوہریرہ سے فاتحہ خلف الامام کے متعلق فتویٰ ثابت ہے۔[6]

دوسری وجہ: حضرات محدثین کا اصول ہے کہ اگر ”دو دلیلوں کا آپس میں تعارض واقع ہوجائے تو اس وقت جمع نسخ پر مقدم ہوگا۔“ یعنی اگر ان دونوں دلیلوں میں جمع ہو سکے تو پھر نسخ نہ ہوگا اور جمع ہی کیا جائے گا۔[7] یہاں اس حدیث اور ہمارے دلائل کے درمیان میں جمع ممکن ہے یعنی یہ حدیث **ماعدی الفاتحۃ** پر محمول ہے۔[8] تو بریں معنی ان دلائل میں تعارض نہیں رہتا اور اس دلیل کے اور بھی جوابات ہیں جو کہ مذکورۂ آیت کریمہ کے جوابات کے ضمن میں آگئے ہیں۔ **فارجع البصر کرتین.**

چوتھی دلیل

ان کی چوتھی دلیل زہری کی یہ حدیث ہے:

فانتھی الناس عن القرأۃ فیما جھر فیہ رسول اللہ ﷺ

”جب رسول اللہ ﷺ نے نماز میں بلند آواز قرأت کرنا شروع کی تو لوگوں نے اس نماز میں قرأت کرنا چھوڑ دی۔“

جواب: یہ حدیث بھی ناقابل اعتبار ہے، کیونکہ یہ کلام زہری کا اپنا درج شدہ ہے اور نہ کسی صحابی کا کلام ہے۔[9] علاوہ بریں اس حدیث سے **ترک القرأۃ خلف**

---

[1] دارقطنی: کتاب العلل: ۲/۲۷۵
[2] ابن خزیمہ
[3] محمد بن یحیی الذہلی
[4] ابو علی نیساپوری
[5] بیہقی: کتاب القراءۃ: ۹۰-۹۱
[6] صحیح مسلم
[7] کتاب الاعتبار للحازمی
[8] فتح الباری
[9] جزء القرأۃ للبخاری

الامــــام فقط جہری نماز میں ثابت ہوتا ہے اور حضرات حنفیہ اس سے سری اور جہری دونوں کے لئے دلیل پکڑتے ہیں اور تعجب یہ ہے کہ دعویٰ عام دلیل خاص۔ **فسبحان قاسم العقول.**

پانچویں دلیل

ان کی پانچویں دلیل نبی اکرم ﷺ کے مرض وفات میں نماز پڑھنے والی حدیث ہے۔

جواب: اس کے کئی جوابات ہیں۔ من جملہ آں یہ دو جواب پیش کیے جاتے ہیں:

پہلا جواب: اول یہ کہ آنحضرت ﷺ جو مسجد میں آ کر نماز میں شامل ہوئے، آپ کا یہ شمول اقتداء نہ تھا، بلکہ بارادہ امامت تھا۔[1] یہیں سے معلوم ہوا کہ آپ ﷺ نے جو خصم کے زعم پر ترک القرأۃ کلاً یا جزاً کیا ہے وہ در حالت امامت کیا ہے۔ اور حنفیہ کے ہاں امام پر قرأۃ واجب ہے پھر یہ حدیث تو ان کے خلاف حجت ثابت ہوئی اور محل نزاع سے خارج ہوئی۔

دوسرا جواب: یہ ہے کہ اس واقعہ مرض الموت کی نماز میں کئی ایسے امر پائے گئے ہیں جو آنحضرت ﷺ کے ساتھ مخصوص تھے اور بالاتفاق کسی اور کے لئے جائز نہیں ہیں۔[2] تو ہوسکتا ہے کہ یہ امر بھی آنحضرت ﷺ کے ساتھ مخصوص ہو۔ پھر جو شخص اس حدیث کے اس خاص جز کے عموم ہونے کا قائل ہے تو وہ اس بات پر مکلف ہے کہ کسی دلیل صریح سے اس کا عموم ثابت کرے۔ **ودونہ خرط القتاد.**

ان حضرات کے ان دلائل کے علاوہ اور بھی دلائل ہیں جو ان دلائل سے بھی ابتر ہیں، ملاحظہ ہوں مطولات۔

الغرض ثابت ہوا کہ مذکورہ امر اپنے حقیقی معنیٰ یعنی وجوب پر باقی ہے۔ وہ یہ کہ فاتحہ خلف الامام واجب ہے اس کے سوا نماز نہ ہوگی۔

---

[1] کتاب المعتصر: ۴۹

[2] شرح معانی الآثار للطحاوی کتاب الصلاۃ – باب صلاۃ الصحیح خلف المریض ۱:۲۶۵

چھٹا مسئلہ:

وضع الیدین علی الصدر

اس کے متعلق امام ابن خزیمہ اپنی صحیح میں وائل بن حجر سے روایت لائے ہیں، جس کے الفاظ مبارکہ اس طرح ہیں کہ:

صَلَّیْتُ مَعَ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ وَوَضَعَ یَدَہُ الْیُمْنٰی عَلٰی یَدِہِ الْیُسْرٰی عَلٰی صَدْرِہٖ[1]

''میں نے نبی کریم ﷺ کے ساتھ نماز پڑھی تو رکھا آپؐ نے اپنا داہنا ہاتھ اپنے بائیں ہاتھ پر سینہ پر۔''

بعض حضرات اس حدیث پر یہ سوال کرتے ہیں کہ ان کے علاقے میں کتاب صحیح ابن خزیمہ نہیں پائی جاتی[2] تو ہم بغیر دیکھے کس طرح آپ کے کہنے پر اعتماد کریں کہ یہ حدیث اس میں موجود ہے؟ میں کہتا ہوں کہ صحیح ابن خزیمہ میں اس حدیث شریف کے موجود ہونے کے لئے یہ بات ہی کافی ہے کہ خود حافظ زیلعی حنفی نے نصب الرایہ میں اور علامہ عینی حنفی نے ''عمدۃ القاری'' میں اس حدیث کو بحوالہ ابن خزیمہ نقل کیا ہے۔ نیز اگر ہمارے کہنے اور آپ کے احناف کے کہنے پر بغیر دکھانے کے اعتماد نہیں تو ہم بھی علامہ قاسم بن قطلوبغا کے مجرد کہنے پر کس طرح اعتماد کرسکیں کہ تحت السرۃ کی زیادتی مصنف ابن ابی شیبہ میں موجود ہے۔ **فماھو جوابکم فھو جوابنا.**

اعتراض: اور اگر کوئی کہے کہ پتہ نہیں کہ یہ حدیث صحیح ہے یا نہیں؟ تو پھر کس طرح معتمد علیہ ہوسکتی ہے؟

جواب: اس کا جواب یہ ہے کہ یہ حدیث صحیح ہے اور خود امام ابن خزیمہ نے اس کو

---

[1] صحیح ابن خزیمہ: ۱/۲۴۳ (۴۷۹) من طریق مؤمل بن اسماعیل، بیهقی: ۲/۳۰ من طریق محمد بن حجر بن عبدالجبار عن ام عبدالجبار.

[2] یہ کتاب اس وقت عربی اردو میں چھپ چکی ہے، جو ہر جگہ دستیاب ہے۔ (ناشر)

صحیح کہا ہے۔[1] نیز اس پر حافظ زیلعی نے ''نصب الرایہ'' میں، حافظ ابن حجر نے ''فتح الباری'' میں اور امام نووی نے ''شرح مسلم'' میں سکوت کیا ہے اور اس پر کوئی جرح وغیرہ نہیں کی۔

الغرض اس حدیث شریف کے ماننے سے کوئی چیز مانع نہیں ہے اور اسی طرح مسند امام احمد[2] میں بھی ایک حدیث ھلب طائی سے مروی ہے جس کے الفاظ بھی مذکورہ حدیث کی طرح ہیں اور اس کی سند بالکل صحیح ہے۔

اعتراض: اور اگر کوئی کہے کہ اس کی سند میں سفیان ثوری واقع ہیں اور وہ مدلس ہیں۔

جواب: اس کا جواب دو طرح سے ہے:

اولاً: یہ کہ سفیان ثوری اول درجے کے مدلسین میں سے ہیں اور بقاعدہ محدثین ان کی تدلیس مقبول ہوگی اگرچہ سماع کی تصریح نہ کریں۔[3]

ثانیاً: دوم یہ کہ اس حدیث کی سند میں سفیان ثوری نے اپنے استاد سماک سے سماع کی تصریح کی ہے اور کہا ہے کہ حدثنی سماک.[4]

اعتراض: اور کوئی کہے کہ اس کی سند میں سماک بن حرب واقع ہیں اور وہ مضطرب الحدیث ہیں تو پھر یہ حدیث کیونکر قابل احتجاج ہوگی۔

جواب: اس کا جواب یہ ہے کہ سماک کی سب روایتوں میں اضطراب نہیں ہے بلکہ ان میں اضطراب ہے، جو سماک نے عکرمہ سے روایت کی ہیں۔[5] اور اس حدیث کو سماک نے عکرمہ سے روایت نہیں کیا بلکہ قبیصہ بن ھلب سے روایت کیا ہے۔[6] تو پھر کس طرح یہ حدیث مضطرب اور ناقابل اعتبار ہوسکتی ہے؟ **هَاتُوا بُرْهَانَكُمْ إِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ**

بالجملہ یہ حدیث صحیح ہے اور یہ بھی ثابت ہوگیا کہ نبوی طریقہ اور مصطفوی اسوہ یہ ہے کہ ہاتھ نماز میں سینہ پر رکھے جائیں نہ کسی اور جگہ پر۔

---

1. شرح ترمذی للامام ابن سید الناس اور نیل الاوطار للشوکانی.
2. مسند احمد
3. طبقات المدلسین لابن حجر: ۳۲
4. مسند احمد: ۲۲۶/۵
5. تقریب التھذیب لابن حجر.
6. مسند: ۲۲۶/۵

اعتراض: اگر کوئی کہے کہ مصنف ابن ابی شیبہ میں ایک حدیث شریف مروی ہے، جس سے ثابت ہوتا ہے کہ نماز میں ہاتھ ناف کے نیچے رکھنے چاہئیں۔

جواب: اس کا جواب یہ ہے کہ یہ حدیث بمع تحت السرة کی زیادتی کے مصنف ابن ابی شیبہ میں موجود نہیں ہے، کیونکہ ابن ابی شیبہ کا صحیح نسخہ ہمارے کتب خانہ میں موجود ہے اور اس میں یہ زیادتی نہیں ہے اور اس کے نہ ہونے کے لئے اتنا ہی کافی ہے کہ مولوی انور شاہ کشمیری حنفی نے اعتراف کیا ہے کہ یہ زیادتی ابن ابی شیبہ میں نہیں ہے۔[1] وعلی تقدیر التسلیم بھی یہ حدیث قابل حجت نہیں ہوسکتی۔ کیونکہ اس کی سند میں یہ الفاظ واقع ہیں:

عن علقمة بن وائل بن حجر عن ابیه

اور علقمہ کا اپنے باپ وائل سے سماع ثابت نہیں ہے۔[2] بایں وجہ یہ حدث منقطع ہوئی اور منقطع غیر مقبول ہے۔[3] علاوہ ازیں مصنف ابن ابی شیبہ کتب حدیث کے طبقہ ثالثہ میں سے ہے اور اس کی حدیث اعتبار و متابعات کے علاوہ استقلالاً کسی ناقد کے لئے حجت نہیں ہے۔[4] تو خصم کو لازم ہے کہ پہلے کوئی اور صحیح حدیث لائے پھر اس کو شہادت میں لائے۔ فَاِنْ لَّمْ تَفْعَلُوْا وَلَنْ تَفْعَلُوْا تو یقیناً جان لیں کہ آپ کا دعویٰ غلط بلکہ بالکل غلط ہے۔

اعتراض: اگر کوئی کہے کہ علی رضی اللہ عنہ سے ایک اثر مروی ہے جس کے الفاظ یہ ہیں:

من السنة وضع الکف علی الکف تحت السرة.

''سنت یہ ہے کہ نماز میں ایک ہاتھ دوسرے ہاتھ پر رکھ کر ناف کے نیچے رکھا جائے۔''

جواب: جواباً کہا جائے گا کہ اس کی سند میں عبدالرحمٰن بن اسحاق واقع ہیں جو بالکل ضعیف ہیں اور سب اھل النقد نے ان کو ضعیف کہا ہے۔[5] حتیٰ کہ امام نووی

---

[1] فیض الباری: ۲/۲۶۷
[2] تقریب التھذیب: ۲۴۳
[3] ملاحظہ ہو کتب اصول حدیث
[4] حجة اللہ البالغة: ۱/۳۸۹
[5] تھذیب التھذیب

شرح المہذب میں اس کے متعلق فرماتے ہیں کہ

ضعیف باتفاق ائمة الجرح و التعدیل[1]

"ان کے ضعیف ہونے پر جرح وتعدیل کے اماموں کا اتفاق ہے۔"

پھر یہ اثر کیونکر قابل حجت بن سکتا ہے؟ علاوہ ازیں یہ اثر مذکورہ مرفوع احادیث سے معارض ہے اور خود حنفیہ کا مسلک ہے کہ صحابہ کے آثار تب حجت ہیں جبکہ ان کی کوئی مرفوع حدیث معارض نہ ہو اور اگر معارض ہو تو وہ آثار حجت نہیں ہو سکتے۔[2]

اعتراض: اگر کوئی کہے کہ صاحب ہدایہ اس اثر کو مرفوع لائے ہیں۔

جواب: اس کا جواب یہ ہے کہ یہ تسامح ہے اور اس کو خود علماء حنفیہ مثلاً عینی وغیرہ نے رد کیا ہے۔ **فناهيك ذالك.**

الغرض مسنون وہی طریقہ ہے جس کو ہم بیان کر چکے ہیں۔

ساتواں مسئلہ:

اس کے تعلق حضور سرور کائنات کا یہ معمول تھا کہ:

اذا فرغ من قراۃ ام القرآن رفع صوته وقال آمين[3]

"آپ جب نماز میں سورۃ فاتحہ پڑھنے سے فارغ ہوتے تھے تو بلند آواز سے آمین کہتے تھے اور اس حدیث کو دارقطنی نے حسن اور حاکم نے صحیح کہا ہے۔"

اسی معنیٰ میں ابوداؤد وغیرہ میں بھی ایک حدیث شریف مروی ہے۔[4] جسے ترمذی[5] نے حسن کہا ہے اور ابوداؤد نے اس پر سکوت کیا ہے۔ امام صاحب سکوت

---

[1] شرح المہذب

[2] ملاحظہ ہو: فتح القدیر لابن الهمام، مرقاۃ للعلی قاری اور امام الکلام وغیرہ.

[3] سنن دارقطنی: ۱/ ۴۵۰ (۱۲۵۹)، مستدرک حاکم ۱: ۳۴۵ (۸۱۲)

[4] سنن ابی داؤد: کتاب الصلوٰۃ (۹۳۲) [5] سنن ترمذی: ابواب الصلوٰۃ

اس حدیث پر کرتے ہیں جو ان کے نزدیک قابل احتجاج ہوتی ہے۔ اب ان دونوں حدیثون سے صاف ظاہر ہے کہ آپ کے اسوہ حسنہ میں آمین کا زور سے کہنا جحت ہے نہ کہ آہستہ۔ اور جس حدیث سے احناف آمین کے آہستہ کہنے پر دلیل پکڑتے ہیں وہ بالکل صحیح نہیں۔ کیونکہ شعبہ نے اس میں دوہری غلطی کی ہے اور بجائے لفظ رفع بھا صوتہ کے خفض بھا صوتہ کہا ہے۔[1] سفیان کی جو حدیث ہم نے پیش کی ہے اسے امام بخاری اور امام ابو زرعہ رازی نے شعبہ کی حدیث پر ترجیح دی ہے۔[2] نیز امام دارقطنی نے بھی اپنی سنن میں اس حدیث کو ترجیح دی ہے۔ تو معلوم ہوا کہ حق وہ ہے جو ہمارے احباب اہل حدیث کا مذہب ہے۔ اب ہم ایک اثر نقل کر کے اس مسئلہ کو ختم کرتے ہیں۔ چنانچہ امام ابن حبان نے کتاب الثقات میں صحیح سند سے امام ابو حنیفہ کے استاد عطاء بن ابی رباح سے روایت کی ہے کہ:

قَالَ اَدْرَكْتُ مِائَتَيْنِ مِنْ اَصْحَابِ النَّبِيِّ ﷺ فِي هٰذَا الْمَسْجِدِ يَعْنِي الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ اِذَا قَالَ الْاِمَامُ وَلَا الضَّآلِّيْنَ رَفَعُوْا اَصْوَاتَهُمْ بِآمِيْنَ.[3]

"عطاء نے کہا کہ میں نے اس مسجد (یعنی کعبۃ اللہ شریف) میں دو سو صحابہ کو (نماز پڑھتے) پایا۔ جب امام نے ولا الضآلین کہا تو ان دو سو صحابہ نے بلند آواز سے آمین کہی۔"

تو عجب در عجب ان لوگوں پر ہے جو خود تو سنت پر عمل نہیں کرتے اور جو عامل بالسنۃ ہوتے ہیں تو ان سے بھی بغض و حسد کرتے ہیں، حالانکہ حدیث شریف سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ اسوہ سیئہ یہودیوں کا ہے اور مسلمانوں کو زیب نہیں دیتا۔[4]

---

[1] ملاحظہ ہو مطولات [2] سنن ترمذی:

[3] کتاب الثقات لامام ابن حبان: ۲/۲۶۵، البیھقی: ۲/۵۹

[4] سنن ابن ماجه (۸۵۷-۸۵۶) اس کے علاوہ یہ روایت صحیح ابن خزیمہ (۵۷۴، ۵۸۵)، مسند احمد: ۶/۱۳۴-۱۳۵، بیھقی: ۲/۵۶، مجمع الزوائد: ۲/۱۱۵-۱۱۶ میں الفاظ کے کچھ فرق سے مروی ہے۔

آٹھواں مسئلہ:

رفع الیدین

اس کے متعلق صحیحین میں ابن عمرؓ سے روایت ہے کہ:

اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰہِ ﷺ کَانَ یَرْفَعُ یَدَیْہِ حَذْوَ مَنْکِبَیْہِ اِذَا افْتَتَحَ الصَّلٰوۃَ وَاِذَا کَبَّرَ لِلرُّکُوْعِ وَاِذَا رَفَعَ رَأْسَہٗ مِنَ الرُّکُوْعِ رَفَعَھُمَا کَذٰلِکَ اَیْضًا وَقَالَ: سَمِعَ اللّٰہُ لِمَنْ حَمِدَہٗ رَبَّنَا وَلَکَ الْحَمْدُ وَکَانَ لَا یَفْعَلُ ذٰلِکَ فِی السُّجُوْدِ.[1]

"رسول اللہ ﷺ اپنے ہاتھ اپنے کندھوں کے برابر اٹھاتے تھے۔ جب نماز شروع کرتے تھے اور جب رکوع کے لئے تکبیر کہتے تھے اور رکوع سے اپنا سر اوپر اٹھاتے تھے تو اسی طرح دونوں ہاتھوں کو (کندھوں کے برابر) اٹھاتے تھے اور فرماتے: اللہ نے اس کی سن لی جس نے اسکی تعریف بیان کی۔ اے ہمارے پروردگار! تیری ہی تعریف ہے اور سجدے میں اس طرح نہیں کرتے تھے۔"

اہل فہم اور جس کو اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ نے اپنے فضل و کرم سے نبی کریم ﷺ کی محبت اور اس کے اتباع کا شوق عطا فرمایا ہے، اس کے لئے یہ ایک حدیث ہی کافی ہے۔ ہاں اتنا واضح ہو کہ رفع الیدین کی حدیث بہت سی سندوں سے مروی ہے، حتیٰ کہ چند ائمہ مثلاً امام ابن حزم، سیوطی اور مجدد الدین الفیروز آبادی وغیرہم اس حدیث کے متواتر ہونے کے قائل ہیں[2] اور حافظ ابن حجر عسقلانی نے فتح الباری میں

---

[1] صحیح بخاری – کتاب الاذان باب رفع الیدین اذا کبر واذا رکع واذا رفع (۷۳۵، ۷۳۶، ۷۳۷) صحیح مسلم – کتاب الصلوٰۃ: باب استحباب رفع الیدین حذو المنکبین الخ (۸۶۱ – ۸۶۵) اس کے علاوہ یہ روایت ابو داؤد (۷۲۱ – ۷۲۲)، ترمذی (۲۵۵ – ۲۵۶)، ابن ماجہ (۸۵۸) اور احادیث کی تمام کتب میں موجود ہے۔

[2] المحلیٰ لابن حزم: ۹۳/۴، الازھار المتناثرہ فی الاخبار المتواترہ للسیوطی: ۴۸، سفر السعادۃ: ۱۴

اپنے استاذ امام عراقی سے نقل فرمایا ہے کہ میں نے اس حدیث کے روایت کنندہ صحابہ کا تتبع کیا تو پچاس کو پہنچا[1] اور اس مسکین نے بھی ان کا تتبع کیا تو باوجود کم علمی کے اور قلت الاطلاع علیٰ نسب الحدیث کے بیس کو پہنچا، جن کے اسماء گرامی یہ ہیں:
۱- ابوبکر صدیق ۲- عمر بن الخطاب ۳- علی بن ابی طالب ۴- ابن عمر ۵- ابن عباس ۶- ابن الزبیر ۷- ابوہریرۃ ۸- ابوموسیٰ اشعری ۹- ابوحمید ساعدی ۱۰- محمد بن مسلمہ ۱۱- ابو اسید ۱۲- مالک بن الحویرث ۱۳- وائل بن حجر ۱۴- سہل بن سعد ۱۵- ابو قتادہ ۱۶- انس بن مالک ۱۷- جابر بن عبداللہ ۱۸- براء بن عازب ۱۹- عمر اللیثی ۲۰- معاذ بن جبل۔[2]

نیز حافظ زیلعی نصب الرایہ میں امام بیہقی کے خلافیات سے ایک حدیث شریف لائے ہیں، جس سے رفع الیدین کے متعلق مواطن مذکورہ میں آنحضرت ﷺ سے امر ثابت ہوتا ہے۔[3] نیز مالک بن الحویرث کی حدیث سے بھی امر مستفاد ہے۔ اس لئے چند محدثین مثلاً محمد بن سیرین، حمیدی، اوزاعی، امام احمد بن حنبل، امام ابن خزیمہ اور امام ابن حبان وغیرہم رفع الیدین کے وجوب کے قائل ہیں اور احقر کے ہاں بھی یہ قول مستند ہے۔ اس لئے کہ امر وجوب کے لئے ہوتا ہے جب تک اس کے لئے دلیل صارف نہ پائی جائے اور فیما نحن فیه امر کا بھی کوئی دلیل صارف نہیں ہے اور جو عبداللہ بن مسعود والی حدیث ہے اس کو محدثین نے ضعیف بتلایا ہے۔[4] اور امام ابوحنیفہ کے تلمیذ رشید امیر المجاہدین والزاہدین عبداللہ بن المبارک نے اس حدیث کے متعلق یوں کہا ہے: لم یثبت حدیث ابن مسعود...... الخ.[5] باقی

---

[1] فتح الباری: ۱۴۹/۲

[2] مصنف کی کتاب اثبات رفع الیدین، جلاء العینین اور تمییز الطیب کا مطالعہ کرنا چاہیے۔

[3] نصب الرایة فی التخریج احادیث هدایه

[4] ملاحظہ ہو: جزء رفع الیدین للبخاری: ۱۱-۱۵ طبع دهلی

[5] ملاحظہ ہو: سنن ترمذی ابواب الصلوٰۃ باب رفع الیدین عند الرکوع

رہی کاذناب الخیل الشمس والی حدیث، سو وہ تو سلام کے متعلق ہے اور اس کا رفع الیدین کے ساتھ کوئی تعلق نہیں۔[1] اس لئے کہ اگر اس حدیث کا تعلق رفع الیدین کے ساتھ مانا جائے تو پھر مشبہ اور مشبہ بہ کے درمیان میں کوئی تعلق اور مناسبت نہیں رہتی اور شارع بارع علیہ السلام کا یہ کلام لغو بن جاتا ہے حاشا للہ۔ کیونکہ آپ خالی الذہن ہو کر غور کریں تو آپ کو بخوبی معلوم ہو جائے گا کہ مذکورہ ہیئت پر رفع الیدین کرنے اور گھوڑے کی دم ہلانے کے درمیان کتنا ہی بون بعید ہے۔ ہاں اگر سلام کے جواب کے ساتھ اس کا تعلق مانا جائے تو پھر مشبہ اور مشبہ بہ کے درمیان میں مناسبت پوری طرح ہے۔ نیز اگر اس کا رفع الیدین در اوقات مخصوصہ کے ساتھ تعلق مانا جائے تو بھی یہ حدیث حنفیہ کے لئے مذہب شکن ہے۔ کیونکہ وہ تکبیرات عیدین اور وتر میں قنوت کے وقت ہاتھ اٹھاتے تھے۔ فما ھو جوابھم فھو جوابنا. معلوم ہوا کہ مذکورہ بالا امر کا کوئی قرینہ صارفہ نہیں ہے۔ اس لئے عبداللہ بن عمرؓ کا قاعدہ تھا جیسا کہ ان سے امام بخاری کے جزء رفع الیدین میں اور سنن دارقطنی میں مروی ہے کہ:

اذا رأی رجلا لا یرفع یدیہ اذا رکع واذا رفع رماہ بالحصیٰ[2]

”آپ جس کو دیکھتے کہ وہ رکوع کی طرف جاتے اور رکوع سے واپس آنے کے وقت رفع الیدین نہیں کرتا تو اس کو کنکریاں مارتے تھے۔“

اور یہ بات بالکل بدیہی ہے کہ ابن عمر جیسا جلیل القدر امام کسی کو مستحب کے ترک کرنے پر سزا دے، بلکہ ضرور ان کے ہاں رفع الیدین کا وجوب ثابت ہوا ہے اور اگر مستحب چھوڑنے پر بھی سزا ہے تو آپ ﷺ کا اس شخص کو جس نے کہا کہ لا یزید علی ھذا ولا انقص میں اس کو بہشتی کہنا کیا معنیٰ رکھتا ہے۔ فاعتبروا یا اولی الابصار.

---

[1] جزء رفع الیدین للبخاری وغیرہ.

[2] جزء رفع الیدین للبخاری -- سنن دارقطنی مع التعلیق المغنی: ۱/۳۹۲(۱۱۰۵)
اس کے علاوہ امام احمد اپنی مسند اور ابن جوزی التحقیق: ۱/۳۳۲ میں یہ روایت لائے ہیں۔

نواں مسئلہ:

تورک

اس کے متعلق بخاری شریف میں ابوحمید ساعدی سے ایک حدیث شریف مروی ہے جس میں یہ الفاظ بھی ہیں:

فَاِذَا جَلَسَ فِي الرَّكْعَتَيْنِ جَلَسَ عَلٰى رِجْلِهِ الْيُسْرٰى وَنَصَبَ الْيُمْنٰى فَاِذَا جَلَسَ فِي الرَّكْعَةِ الْآخِرَةِ، قَدَّمَ رِجْلَهُ الْيُسْرٰى، وَنَصَبَ الْأُخْرٰى وَقَعَدَ عَلٰى مَقْعَدَتِهِ.[1]

"پھر جب دو رکعت کے بعد بیٹھتے تھے تو اپنے بائیں پاؤں پر بیٹھے تھے اور دایاں پاؤں کھڑا رکھتے تھے اور جب آخری رکعت میں بیٹھتے تھے تو اپنا بایاں پاؤں بچھادیتے تھے اور دوسرے کو کھڑا رکھتے تھے اور اپنی سرین پر بیٹھتے تھے۔"

اور ان کے علاوہ اور بھی حدیثیں ہیں۔[2] لیکن مؤمن اور قدردان کے لئے یہ ایک ہی حدیث شریف کافی ہے اور بے قدروں کے لئے ہزارہا بھی فائدہ ندارند اور ہزار بار آفرین ہو ان قدردان محدثین کو جنہوں نے احادیث کو دیکھتے ہی ان پر بلا تکلف عملی قدم اٹھایا۔ واللہ درالقائل

قدر گل بلبل بداند یا بداند عنبری
قدر جوہر شہ بداند یا بداند جوہری

اتنا واضح رہے کہ جو احادیث حضرات حنفیہ ترک التورک کے متعلق پیش کرتے ہیں وہ سب کی سب مبہم ہیں اور مفصل نہیں ہیں اور یہ حدیث بالکل مفصل

---

[1] صحیح بخاری: کتاب الاذان: باب سنۃ الجلوس فی التشہد (۸۳۵)

[2] صحیح مسلم – کتاب المساجد ومواضع الصلوٰۃ: باب صفۃ الجلوس فی الصلوٰۃ و کیفیۃ وضع الیدین علی الفخذین (۵۷۹)، ابوداؤد – کتاب الصلوٰۃ: باب الاشارۃ فی التشہد، نسائی – فی الافتتاح: باب الاشارۃ بالاصبع فی التشہد الاول

ہے۔ اس لئے قابل عمل بھی یہی رہی۔ چنانچہ مولانا عبدالحی لکھنوی مرحوم تعلیق الممجد میں مفصل اور مبہم دونوں دلیلیں لانے کے بعد بطور فیصلہ اور محاکمہ یوں فرماتے ہیں:

والانصاف انه لا يوجد حديث يدل صريحا على استنان الجلوس على الرجل اليسرىٰ فى القعدة الاخيرة [1]

"انصاف کی بات یہ ہے کہ کوئی حدیث شریف ایسی نہیں پائی جاتی جس سے صراحۃً آخری قعدہ میں بائیں پاؤں پر بیٹھنا (جیسے حنفیہ کہتے ہیں) ثابت ہو اور ابو سعید والی حدیث شریف (جوکہ اوپر ذکر ہوئی) بلکل مفصل ہے تو مبہم کو مفصل پر محمول کیا جائے۔ یعنی ابو حمید والی حدیث پر عمل کیا جائے۔"

دسواں مسئلہ:

جلسہ استراحۃ

اس کے متعلق مالک بن الحویرث رضی اللہ عنہ سے بخاری شریف میں مروی ہے کہ:

اَنَّهُ رَأى النَّبِىَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُصَلِّىْ فَاِذَا كَانَ فِىْ وِتْرٍ مِنْ صَلَاتِهٖ لَمْ يَنْهَضْ حَتّٰى يَسْتَوِىَ قَاعِداً. [2]

"مالک بن حویرث نے رسول اللہ ﷺ کو نماز پڑھتے دیکھا کہ آپ پہلی اور تیسری رکعت کے بعد جلد نہیں اٹھتے تھے جب تک آپ برابر نہ بیٹھ لیتے۔"

اور حضرات حنفیہ اس حدیث کا یہ جواب دیتے ہیں کہ یہ آپ کا عمل بڑھاپے کی حالت پر محمول ہے۔ لیکن میں ان سے پوچھتا ہوں کہ آپ نے کسی بڑے، بوڑھے مرد یا عورت کو جلسہ استراحت کرنے کی اجازت دی ہے تاکہ ان کو کسی نہ کسی

---

[1] تعلیق الممجد: ۱۱۳ قدیمی کتب خانہ کراچی

[2] صحیح بخاری کتاب الاذان باب من استوىٰ قاعدا فى الوتر.....الخ (۸۲۳) دار السلام

بہانے سنت پر عمل حاصل ہو جائے۔ کیونکہ جوانوں کو تو آپ نے اس سنت سے محروم کر دیا۔ اگر حنفیہ کی طرف سے کہا جائے کہ یہ تو جھوٹ ہے، کیونکہ یہ بات فقہ حنفی کی کسی کتاب میں نہیں ملتی۔ اگر کہا جائے کہ ہماری کتب میں یہ اجازت بوڑھوں کو بھی نہیں تو ایسی شخیف تأویل کرنے سے کیا فائدہ؟ وللہ درالقائل

ما اہل حدیثیم دغارا نشناسیم
با قول نبی چوں و چرا را نشناسیم

علاوہ بریں انصاف کی بات یہ ہے کہ جلسہ استراحت کے سوا اٹھ جانے میں تھوڑی تکلیف ہے، بنسبت اس کے کہ برابر بیٹھ کر پھر اٹھے اور ہر مسلمان کو عموماً اور حضرات حنفیہ کو خصوصاً یہ لازم ہے کہ دونوں صورتوں پر عمل کر کے دیکھیں تاکہ ان کو ہمارے اس سچے دعوے کی تصدیق ہو جائے تو بڑھاپے کی صورت کی اس میں کیا رعایت رہی بلکہ یک نشد دو شد تو پھر اس سفید جھوٹ سے کیا فائدہ حاصل ہوا؟ باقی جن احادیث سے یہ حضرات جلسہ استراحت کے نہ کرنے پر استدلال کرتے ہیں ان میں جو صحیح ہیں وہ غیر صریح ہیں اور جو صریح ہیں وہ غیر صحیح ہیں۔ وعلیٰ تقدیر التسلیم بھی ان دلائل سے جلسہ استراحت کے وجوب کی نفی ثابت ہوتی ہے نہ کہ اس کی سنیت۔ تو پھر بلا کسی مانع کے خواہ مخواہ نبوی سنت سے اعراض کرنا چہ معنیٰ دارد؟ جبکہ آپ ﷺ کا فرمان مبارک ہے:

فَمَنْ رَغِبَ عَنْ سُنَّتِيْ فَلَيْسَ مِنِّيْ [1]

”جس نے میری سنت سے روگردانی کی اس کا مجھ سے کوئی تعلق نہیں۔“

اس کے علاوہ جلسہ استراحت کے ثبوت میں اور بھی احادیث وارد ہیں ولیکن فیہ کفایۃ لمن لہ درایۃ۔

---

[1] صحیح بخاری: کتاب النکاح: باب الترغیب فی النکاح (۴۷۷۶)

گیارہواں مسئلہ:

وتر

اس مسئلے میں دو مقامات پر اختلاف ہے، ایک تعداد رکعات میں دوسرا کیفیت میں۔

تعداد رکعات:

پہلے اختلاف میں حضرات حنفیہ کا یہ مسلک ہے کہ وتر تین رکعت ہی ہیں۔ لیکن محدثین کے مسلک کے مطابق اس سے کم وبیش کرنے میں کوئی مضائقہ نہیں ہے، کیونکہ احادیث ہر طرح کی آئی ہیں۔ بلکہ ایک پڑھنا افضل ہے، اس لئے کہ اکثر احادیث مبارکہ ایک رکعت ہی بتاتی ہیں۔[1] ومن جملہ آں یہ حدیث شریف ہے جو صحیحین میں آنحضرت ﷺ سے بایں الفاظ مبارکہ مروی ہے کہ:

صَلاۃُ اللَّیْلِ مَثْنیٰ مَثْنیٰ فَاِذَا خَشِیَ اَحَدُکُمُ الصُّبْحَ صَلّٰی رَکْعَۃً وَاحِدَۃً، تُوَتِّرُ لَہٗ مَا قَدْ صَلّٰی.[2]

''نبی کریم ﷺ نے فرمایا ہے کہ رات کی نماز دو رکعت ہے پس جب تم میں سے کوئی صبح کے نمودار ہونے سے ڈرے تو ایک رکعت وتر پڑھ لے جو اس کی پوری پڑھی ہوئی نماز کو طاق کردے گی۔''

اور کسی صحیح حدیث سے تین سے کم یا بیش کرنے کی منع ثابت نہیں ہوئی ہے۔

کیفیت:

باقی کیفیت کے متعلق یہ عرض ہے کہ:

ایک اور پانچ کے پڑھنے کا طریقہ تو ایک ہی ہے، یعنی فقط آخری رکعت میں التحیات پڑھ کر سلام پھیرے[3] اور نو کا طریقہ اس طرح ہے کہ آٹھویں رکعت کے

---

[1] صحیح مسلم (۱٦۱٦)، ابوداؤد (۱۳۳٦)، ابن ماجہ (۱۳۵۸)، صحیح ابن حبان (٦۷۸) مستدرک حاکم: ۱/۳۰٦

[2] صحیح بخاری - کتاب الوتر باب ماجاء فی الوتر (۹۹۰) دار السلام

[3] صحیح بخاری: کتاب التھجد باب کیف صلوۃ النبی ﷺ کان یصلی باللیل۔ (۱۱۳۷)
صحیح مسلم: کتاب الصلاۃ المسافرین: باب الصلوۃ اللیل وعدد رکعات النبی ﷺ فی اللیل الخ

بعد التحیات پڑھ کر کھڑا ہو جائے۔ پھر نویں رکعت پڑھ کر التحیات پڑھے اور سلام پھیرے۔[1] اور سات کے دونوں طریقے آئے ہیں، یعنی پانچ والا طریقہ اور نو والا طریقہ۔[2] باقی تین، سو اس کے متعلق حضرات حنفیہ فرماتے ہیں کہ مغرب کی نماز کی طرح پڑھے اور ہمارے اہل حدیث کہتے ہیں کہ وتر تین پڑھنے کے دو طریقے ہیں ایک یہ کہ دو رکعت پڑھ کر سلام پھیر لے، پھر ایک الگ پڑھے تا کہ مذکورہ حدیث یعنی صلوٰۃ اللیل مثنیٰ مثنیٰ......الخ پر عمل ہو جائے۔ علاوہ ازیں صحیح ابن حبان میں ایک حدیث شریف ہے جو کہ اس پر پوری طرح دلالت کرتی ہے، جس کے الفاظ مبارکہ اس طرح ہیں کہ:

کان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یفصل بین الشفع والوتر بتسلیم یسمعناہ الخ[3]

"آنحضرت ﷺ وتر کی دو رکعت اور تیسری کے درمیان میں سلام پھیرتے تھے جو ہمیں سننے میں آتا تھا۔"

اور دوسرا طریقہ پانچ رکعت کی طرح ہے۔ یعنی دو رکعت پر نہ التحیات پڑھے اور نہ سلام پھیرے اور سلام پھیرنے کے متعلق تو وہ حدیث شریف ہے جو نسائی شریف میں بایں الفاظ مبارکہ مروی ہے کہ:

كَانَ لَا يُسَلِّمُ فِيْ رَكْعَتِيِ الْوِتْرِ[4]

"آنحضرت ﷺ جب تین وتر پڑھتے تھے تو دو پر سلام نہیں پھیرتے تھے۔"

اور قعدہ اس واسطے نہیں کرتے تھے کہ درمیان میں قعدہ کرنے سے وتر کی مغرب

---

[1] صحیح مسلم: کتاب الصلوٰۃ المسافرین – باب صلوٰۃ اللیل وعدد رکعات النبی صلی اللہ علیہ وسلم الخ (۷۴۶)

[2] صحیح مسلم: کتاب الصلوٰۃ المسافرین – باب الصلوٰۃ اللیل وعدد رکعات النبی صلی اللہ علیہ وسلم فی اللیل الخ (۷۴۶)

[3] صحیح ابن حبان ۶: ۱۹۱ (۲۴۳۵)

[4] سنن نسائی: فی صلوٰۃ اللیل – باب کیف الوتر بثلاث: ۳/۲۳۴، والحاکم: ۱/۳۰۴، دارقطنی: ۱۷۵، طحاوی: ۱/۲۸۰، بیہقی: ۳/۳۱، واسنادہ صحیح

نماز کے ساتھ مشابہت لازم آتی ہے اور اس کی حدیث شریف میں منع آئی ہے۔[1]

اعتراض: اور اگر کوئی کہے کہ وتر میں قنوت پڑھی جاتی ہے پھر وتر اور مغرب میں مشابہت باقی نہیں رہتی؟

جواب: اس کا جواب یہ ہے کہ مغرب نماز میں بھی قنوت پڑھنا احادیث سے ثابت ہے تو پھر عین مشابہت رہی، یک نشد دو شد۔

اعتراض: اگر کوئی کہے کہ وتر کے قنوت میں تکبیر کہی جاتی ہے تو اس سے بھی مشابہت ہو جاتی ہے۔

جواب: تو اس کا جواب یہ ہوگا کہ یہ تو ایک نئی بدعت ہے اور شارع علیہ السلام سے اس کا کوئی نشان نہیں ملتا۔ وکل بدعة ضلالة وکل ضلالة في النار. بلکہ مسنون طریقہ یہ ہے کہ قعدہ چھوڑ کر مغرب نماز اور وتر کے درمیان میں تفریق کرے۔

چنانچہ بیہقی وغیرہ میں نبی اکرم ﷺ سے مروی ہے کہ:

كَانَ يُوْتِرُ بِثَلَاثٍ لَا يَقْعُدُ اِلَّا فِيْ آخِرِهِنَّ[2]

"جب آنحضرت ﷺ وتر تین رکعت پڑھتے تھے تو اس کے درمیان میں نہیں بیٹھتے تھے بلکہ اخیر میں بیٹھتے تھے۔"

معلوم ہوا کہ مسنون یہی طریقہ ہے نہ کہ وہ جو حنفیہ نے سمجھا ہے۔

بارہواں مسئلہ:

تعداد رکعات تراویح

اس کے متعلق عرض ہے کہ مسنون آٹھ ہی رکعات ہیں نہ اور کچھ۔ چنانچہ بخاری شریف میں عائشہ صدیقہ سے مروی ہے کہ:

---

[1] اخرجه محمد بن نصر في قيام الليل: ۱۲۵ – ابن حبان (۶۸۰)، دارقطني: ۲/۲۴، طحاوي: ۱۷۷، الحاكم: ۱/۳۰۴، وصححه ووافقه الذهبي والبيهقي وقال الدارقطني رجاله ثقات، وقال الحافظ: رجاله كلهم ثقات، وقال العراقي: اسناده صحيح.

[2] سنن الكبرىٰ للبيهقي.

مَا کَانَ (رَسُوْلُ اللہِ ﷺ) یَزِیْدُ فِیْ رَمَضَانَ وَلَا غَیْرِہٖ عَلٰی اِحْدٰی عَشَرَۃَ رَکْعَۃً.[1]

"آنحضرت ﷺ رمضان خواہ غیر رمضان میں آٹھ رکعت سے زیادہ نہیں پڑھتے تھے۔"

اعتراض: اور اگر کوئی کہے کہ یہاں تہجد مراد ہے نہ کہ تراویح۔

جواب: تو کہا جائے گا کہ قدیمی اصطلاح میں قیام رمضان تراویح ہی کو کہا جاتا تھا۔[2] اور یہاں جو عائشہ صدیقہؓ سے آنحضرت ﷺ کے قیام رمضان کے متعلق دریافت کیا گیا تھا، اس سے مراد تراویح ہی ہے، جس کا جواب آپ ﷺ نے یہ دیا کہ آپ گیارہ ہی پڑھتے تھے اور غیر رمضان کی قید لگانے سے یہ بات ظاہر کردی گئی کہ جو آپ کا غیر رمضان میں تہجد تھا، وہی آپ کی رمضان میں تراویح تھیں۔ نیز صحیح ابن حبان اور صحیح ابن خزیمہ میں بھی ایک حدیث شریف مروی ہے جس سے بالکل واضح طور پر ثابت ہوتا ہے کہ آپ تراویح آٹھ ہی پڑھتے تھے۔[3] گو اس حدیث شریف کی سند میں ایک راوی بنام عیسیٰ بن جاریہ واقع ہے اور اس کے متعلق کچھ جرحیں منقول ہیں لیکن حافظ ذہبی جو **من اھل استقراء التام فی نقد الرجال** ہیں، انہوں نے اس حدیث شریف کے حق میں فرمایا ہے کہ **اسنادہ وسط.**[4] باقی رہی وہ حدیث جو مصنف ابن ابی شیبہ وغیرہ میں ابن عباسؓ سے مروی ہے کہ آنحضرت ﷺ بیس رکعت تراویح پڑھتے تھے وہ بالکل

---

[1] صحیح بخاری فی التہجد باب قیام النبی صلی اللہ علیہ وسلم باللیل فی رمضان وغیرہ وفی صلاۃ التراویح: باب فضل من قام رمضان
صحیح مسلم – صلاۃ المسافرین: باب صلاۃ اللیل وعدد رکعات النبی صلی اللہ علیہ وسلم فی اللیل الخ (۷۳۸)
ترمذی فی الصلاۃ: باب ماجاء فی وصف صلاۃ النبی صلی اللہ علیہ وسلم باللیل
نسائی فی قیام اللیل – باب کیف الوتر بثلاث

[2] ملاحظہ ہو کتب فقہ مثلاً ہدایہ وغیرہ

[3] صحیح ابن حبان (۹۲۰) صحیح ابن خزیمہ (۱۰۷۰) اس کے علاوہ یہ روایت ابن منذر کی الاوسط (۲۶۰۶) طبرانی کی جامع صغیر: ۱/۱۹۰ میں بھی موجود ہے۔

[4] میزان الاعتدال: ۳/۳۱۱

ضعیف اور نا قابل اعتبار ہے اور اس کے متعلق شیخ ابن ہمام حنفی نے یوں لکھا ہے کہ:

واما ما روی ابن ابی شیبة والطبرانی وعند البیهقی من حدیث ابن عباس انه علیه الصلوٰة والسلام کان یصلی فی رمضان عشرین رکعة سوی الوتر فضعیف بابی شیبة ابراهیم بن عثمان متفق علیٰ ضعفه مع مالفته للصحیح. [1]

"ابن ابی شیبہ نے اپنے مصنف میں اور طبرانی نے اور بیہقی نے ابن عباسؓ سے جو روایت کی ہے کہ آنحضرت ﷺ رمضان میں وتر کے علاوہ بیس رکعت پڑھتے تھے وہ حدیث ضعیف ہے، کیونکہ اس کی سند میں راوی ابو شیبہ ابراہیم بن عثمان واقع ہے جو بالاتفاق ضعیف ہے۔ علاوہ ازیں یہ حدیث باوجود ضعیف ہونے کے صحیح حدیث (یعنی بخاری شریف کی مذکورہ حدیث شریف) کے مخالف بھی ہے۔"

اور لیجئے فاروق اعظم امیر عمرؓ کا فتویٰ۔ چنانچہ مؤطا امام مالک میں سائب بن یزید سے مروی ہے کہ:

امر عمر ابی بن کعب وتمیم الداری ان یقوما للناس فی رمضان باحدیٰ عشرة رکعة. [2]

"عمرؓ نے ابی بن کعب اور تمیم داری کو حکم دیا کہ لوگوں کو رمضان شریف میں گیارہ رکعت پڑھائیں۔"

معلوم ہوا کہ مسنون آٹھ ہی رکعتیں ہیں نہ اس سے کم نہ اس سے بیش۔

فسبحان الذی صدقنا وعده کما قال انا لننصر رسلنا والذین امنوا فی الحیوٰة الدنیا ویوم یقوم الشهاد وهو خیر الفاتحین.

ناظرین! امتیازی مسائل ان کے علاوہ اور بھی بہت ہیں لیکن طوالت کی وجہ سے

---

[1] فتح القدیر: ۱/۴۶۷ – علامہ زیلعی نے نصب الرایہ: ۲/۱۵۳ میں بھی یہی بات لکھی ہے۔

[2] مؤطا امام مالک۔ صلوٰۃ اللیل باب ما جاء فی قیام رمضان: ۹۸

فقط ان چند ذکرشدہ پر اکتفا کی جاتی ہے۔ ان سے ہر سمجھدار انسان کو مذہب اہل حدیث کی حقانیت بخوبی معلوم ہوجائے گی اور یہ ان ہی کی خوش قسمتی ہے کہ سب مسائل قرآن و حدیث سے مستنبط کرتے ہیں اور زید، عمرو، بکر، خالد، اسماعیل، احمد، عمیر سے ان کا کوئی تعلق نہیں ہے۔ اس معنیٰ میں نواب صدیق بن حسن خان مرحوم نے کیا خوب فرمایا ہے:

نواب را قیاس بکسان کے برداز راہ
حجت گرفتہ ہست حدیث و کتاب

اللہ تعالیٰ جزائے خیر دے مولانا عبدالحی صاحب لکھنوی کو جنہوں نے کیا انصاف سے کہا ہے: **شهد شاهد من اهلها.** چنانچہ "امام الکلام" میں فرماتے ہیں کہ:

ومن نظر بنظر الانصاف وغاص في بحار الفقه والاصول مجتنبا عن الاعتساف يعلم علما يقينيا ان اكثر المسائل الفرعية والاصلية التي اختلف العلماء فيها فمذهب المحدثين فيها اقوى من مذاهب غيرهم واني كلما اشير في شعب الاختلاف اجد قول المحدثين فيه قريباً من الانصاف فلله درهم وعليه شكرهم كيف لا وهم ورثة النبي صلى الله عليه وسلم حق ونواب شرعه صدقا حشرنا الله تعالىٰ في زمرتهم واماتنا على حبهم وسيرتهم[1]

"جو شخص انصاف کی نظر سے دیکھے گا اور تعصب سے جدا ہوکر فقہ و اصول کے دریاؤں میں غوطہ مارے گا تو وہ یقیناً جان لے گا کہ اکثر فروعی و اصولی مسائل میں اہل حدیث کا مذہب من حیث الدلیل قوی اور راجح ہے اور خود میں جب اختلاف کے راستوں میں چلتا ہوں تو اہل حدیث کو انصاف کے قریب پاتا ہوں۔ اللہ تعالیٰ ہی کے لئے ان کا کمال ہے

---

[1] امام الکلام: ۲۱۶

اور وہی ان کا قدر دان ہے اور ان کی یہ شان کیونکر نہ ہو جبکہ وہ نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام کے حقیقی وارث ہیں اور اس کی شریعت مبارکہ کے سچے نواب ہیں۔ اللہ تعالیٰ ہمارا حشر ان کی جماعت میں کرے اور ان کی محبت میں اور ان کے طریقہ پر ہمارا خاتمہ کرے، آمین ثم آمین۔"

حضرات! غور کا مقام ہے کہ مولانا لکھنوی جیسے حنفیوں کے مایہ ناز وسرتاج عالم دین کیا خوب فرما رہے ہیں، کس طرح جماعتِ اہل حدیث میں محشور ہونے کی خواہش کر رہے ہیں ان کان صادقا فصدقه الله تعالیٰ. پس ہر مسلمان پر لازم ہے کہ اس فرقہ ناجیہ میں شامل ہو جائے اور اپنے آپ کو مذاہب شتّٰی سے بچائے اور آیت کریمہ وَلَا تَتَّبِعُوا السُّبُلَ فَتَفَرَّقَ بِكُمْ عَنْ سَبِيلِهِ پر عمل کرے۔ کیونکہ یہی ایک فرقہ ہے جس کا عمل اس آیت کریمہ پر ہے جو ابتدا میں پڑھی گئی، یعنی:

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا أَطِيعُوا اللَّهَ وَأَطِيعُوا الرَّسُولَ وَأُولِي الْأَمْرِ مِنْكُمْ فَإِنْ تَنَازَعْتُمْ فِي شَيْءٍ فَرُدُّوهُ إِلَى اللَّهِ وَالرَّسُولِ إِنْ كُنْتُمْ تُؤْمِنُونَ بِاللَّهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ ۚ ذَٰلِكَ خَيْرٌ وَأَحْسَنُ تَأْوِيلًا [1]

"اے ایمان والو! اگر تم اللہ اور قیامت کے دن پر یقین کرنے والے ہو تو اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول اور اولی الامر کا کہا مانو پھر کسی مسئلہ (دینی خواہ دنیوی) میں تمہارا (یا تمہارے بڑوں کا) اختلاف ہو جائے تو اس کو اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کی طرف لوٹاؤ۔ پھر جو اس کا حکم ہو اس پر عمل کرو، یہ کام ہر طرح سے بہتر ہے اور انجام کار کے لحاظ سے بھی اچھا ہے۔"

وآخر دعوانا ان الحمد لله رب العالمين والصلوٰة والسلام على رسوله خاتم النبيين وعلىٰ آله واصحابه اجمعين برحمتک يا ارحم الراحمين.

وانا العبد الفقير الحقير السيد بديع الدين شاه عفى الله عنه وعافاه بمنة الذى لامنتهاه.

بٹالہ ۱۹۴۵ء

---

[1] النساء: ۵۹

ہماری چند نئی مطبوعات